

تاجروں کے لئے

نبوی ہدایات

مرتب:

مولانا کلیم اللہ قاسمی

معتمد دارالافتاء، وشریک ادارت ماہنامہ ''ندائے شاہی''

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر:

مکتبہ الاصلاح لالباغ مرادآباد

9410679786 - 9412677469

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ.

(سورة المائدة : ۸۸)

تاجروں کیلئے نبوی ہدایات

- حلال کمائی کی فضیلت واہمیت
- تجارت عبادت میں خلل انداز نہ ہو
- مزدوروں کی اہمیت اوران کے ساتھ حسن سلوک
- ناپ تول کے بارے میں قرآنی احکامات
- سود ایک معاشی لعنت

عرضِ مرتب

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم! أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فطری ساخت ایسی بنائی ہے کہ وہ اپنی اس زندگی میں باہمی تعاون اور معاملاتی لین دین کے محتاج ہیں، ہر فرد اور طبقہ کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے، مزدور سے لے کر بڑے سے بڑے تاجر اور مالدار کو زندگی میں خرید وفروخت اور تجارتی مبادلہ اور محنت ومزدوری، صنعت وزراعت اور قرض وعاریت وغیرہ معاشی معاملات کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، ان معاشی معاملات کے سلسلہ میں بھی اللہ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان اصولوں اور طریقوں کی ہدایت فرمائی جو انسانی شرافت وعظمت سے مطابقت رکھتے ہیں، اور جن پر عمل کر کے ہر انسان دنیوی واخروی فلاح حاصل کرسکتا ہے، آج کے اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں ضرورت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو عام کیا جائے، اسی غرض سے بندہ نے معاشی معاملات کے بارے میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو ہدایتیں اور احکام امت کو ملے ہیں ان میں سے بعض اہم اور بنیادی باتوں کو اس کتاب میں جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، یہ مجموعہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے دینی واصلاحی ترجمان ''ندائے شاہی'' میں کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، اور اب بعض اساتذہ واحباب کے اصرار پر افادۂ عام کے لئے اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نبوی ہدایات وارشادات پر عمل کرنے کی سعادت سے نوازے، اور اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کے ناشرین کی جائز مرادوں کو پورا فرمائے۔ آمین

محمد کلیم اللہ غفرلہ

خادم دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

یکم صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

تائیدی کلمات

سیدی ومولائی عارف باللہ

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

ناظم وبانی جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن طبع ہوا تو ایک سفر میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں چند نسخے پیش کئے حضرت والا نے کتاب کا مطالعہ کرکے درج ذیل تائیدی مکتوب ارسال فرمایا:

مکرمی جناب مولانا کلیم اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ''تاجروں کے لئے نبوی ہدایات'' کا مطالعہ کیا اس قسم کی کتابیں بہت مفید ہیں، آپ کو اس کا سلیقہ بھی ہے، آپ اس سلسلہ کو جاری رکھیں اور ہر طبقہ کے لئے علاحدہ علاحدہ ہدایات تحریر کریں۔ کچھ مسائل بھی تحریر کردیا کریں تو افادہ میں اضافہ ہوجائے گا۔

والسلام

صدیق احمد غفرلہٗ

خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

تائید وتقریظ:

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم، اَمَّابَعْد!

اس دنیا میں تجارت، کاروبار، معاملات، مسلم وغیر مسلم سبھی کرتے ہیں، مگر فرق صرف اتنا ہے کہ غیر مسلموں میں حرام وحلال کا امتیاز نہیں اور مسلمانوں کے لئے بلا امتیاز ہر قسم کی تجارت وکاروبار جائز نہیں؛ بلکہ صرف وہ تجارت اور کاروبار جائز ہے جو نبوی ہدایات کے دائرے میں آتی ہیں اور نبوی ہدایات نے حرام کو حلال سے واضح طور پر جدا کردیا ہے اور ساتھ ساتھ حلال وحرام کے درمیان جو مشتبہ اور مشکوک کاروبار ہے اس سے بھی منع فرمادیا ہے۔

ارشاد فرمایا: **ان الحلال بین وان الحرام بین وبینهما مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام. الحدیث** (مسلم شریف ۲۸/۲)

بیشک حلال بھی واضح اور حرام بھی واضح ہے، مگر ان دونوں کے درمیان ایسے مشتبہ اور مشکوک کاروبار بھی ہیں جن سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں، جو ان شبہات سے اپنی حفاظت کرے گا، وہ اپنے دین میں برائی سے پاک ہوگا اور لوگوں کی برائی سے اس کی آبرو کی حفاظت ہوجائے گی اور جو شخص مشکوک کاروبار میں پھنس جائے گا وہ ضرور حرام میں مبتلا ہوجائے گا۔

انہیں شبہات سے تاجر بھائیوں کی حفاظت کے لئے حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب قاسمی نے زیرِنظر کتاب کی ترتیب دی ہے۔ ماشاء اللہ کتاب نہایت مدلل ہے اورانشاء اللہ تاجروں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب کومقبول اورمؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

تائید وتقریظ:

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم

مفتی واستاذ حدیث مدرسہ شاہی مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم، اَمَّابَعۡد!

تجارت دنیا میں حصول زر کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”رزق کے دس حصول میں سے ۹/ حصے تجارت کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں“۔

دوسری طرف یہ بھی طے ہے کہ انسان کی استعمال کردہ آمدنی کا اثر اس کی زندگی پر ضرور پڑتا ہے، حلال آمدنی ہو تو خیرات وبرکات کا ظہور ہوتا اور اس کا اثر خاندانوں اور نسلوں تک باقی رہتا ہے، اس کے برخلاف حرام آمدنی کی نحوست زندگی میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور نسلوں کی نسلیں اس ناپاک آمدنی کی وجہ سے تباہ وبرباد ہوجاتی ہیں؛ اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ حصول زر کی کوششیں شریعت کی بتائی ہوئی حدود کے اندر رہیں تاکہ بغیر کسی شبہ کے پاک اور حلال آمدنی ہمیں میسر آسکے اور ہم برکتوں کے مستحق ہوسکیں۔

حفص بن عبد الرحمٰن ”امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ“ کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے، ایک مرتبہ امام صاحبؒ نے ان کے پاس سامان تجارت بھیجا اور یہ کہدیا کہ فلاں کپڑے میں یہ یہ خرابی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی گاہک اسے خریدنا چاہے تو اسے عیب بتاکر فروخت کرنا، اتفاق سے جب فروخت کرنے کا وقت آیا تو حفص بن عبد الرحمٰن عیب بتانا بھول گئے اور کپڑا فروخت کردیا اور یہ بھی متعین طور پر معلوم نہ ہوا کہ کپڑے کا خریدار کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے، جب امام صاحبؒ کو یہ پتہ چلا، تو آپ نے

حفص سے شرکت کا معاملہ ختم کرلیا اور سارے سامان کی قیمت صدقہ کردی جس کی مقدار تیس ہزار درہم تھی۔ (عقود الجمان: ۲۴۰)

یہ جذبہ تھا شبہ سے بچنے کا، جس کی برکتیں یہ ظاہر ہوئیں کہ ایسی آمدنی سے پل کر امام صاحبؒ کا فیض چار دانگ عالم میں پھیلا اور قیامت تک پھیلتا رہیگا۔ ان شاءاللہ

آج لوگوں کو شکایت ہے بے برکتی کی، گھریلو حالات خراب ہونے کی، اولاد کے نافرمان ہونے کی، امراض میں پے درپے مبتلا ہونے کی، مگران کے حقیقی اسباب پر کوئی غور نہیں کرتا، ان چیزوں کا ایک بڑا سبب ہماری مالی بدعنوانیاں اور دنیا کمانے میں حلال وحرام کی تمیز ختم ہونا بھی ہے، جس کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ہمارے رفیق مکرم جناب مولانا کلیم اللہ صاحب قاسمی صالح اور محنتی نوجوان ہیں اور ساتھ میں امت کے لئے دل دردمند بھی رکھتے ہیں اور ماشاءاللہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مستعد ہیں، ان کے دینی اوراصلاحی مضامین ماہنامہ ''ندائے شاہی'' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیرنظر مضمون بھی ''ندائے شاہی'' میں قسطوار شائع شدہ ایک مفید مضمون ہے، جس میں آں موصوف نے تاجروں کے لئے نہایت اہم دینی معلومات مرتب کردی ہیں اوراس کی مستقل رسالہ کی شکل میں اشاعت سے قوی امید ہے کہ افادہ کا دائرہ مزید وسیع ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو قبول فرمائے اوران سے زیادہ سے زیادہ اپنے دین کی خدمت لے۔ آمین

میں ذاتی طور پر بھی موصوف کواس رسالہ کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں

''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۱/۴/۱۴۱۷ھ

تائید وتقریظ:

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب قاسمیؒ سیتاپوری

مفتی واستاذ حدیث دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم، اَمَّابَعْد!

کسب حلال انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہی نہیں؛ بلکہ دینی فرائض کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فریضہ بھی ہے کہ ہر ایک مسلمان حلال روزی کے لئے طلب وجستجو کرے اور پاکیزہ روزی کے طریقوں کی تحصیل کے لئے تگ ودو کرے، ان ذرائع میں سب سے افضل ذریعہ تجارت ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل نبوت اس کو اختیار کرنا اور پھر اس کی فضیلت بیان کرنا احادیث سے ثابت ہے، صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دینی اولوالعزمیاں اور راہ خدا میں صرف کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی دلچسپیاں یہ سب تجارت ہی کی کارفرمائیاں تھیں، نیز صوفیاء میں حضرت حسن بصریؒ اور ائمہ میں امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ اپنے بے پناہ علم وفضل کے باوجود بہترین تاجر تھے، حلال تجارت حصول رزق کا ذریعہ ہی نہیں؛ بلکہ مدارج آخرت کی ترقی کا ایک زینہ بھی ہے، میدان محشر میں جن خوش نصیب بندوں کے لئے عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ پانے کی خوش خبری ہے ان میں سے ایک دیانتدار تاجر بھی ہے۔

موجودہ دور میں ضرورت تھی کہ قوم مسلم کو اس کے ماضی سے وابستہ کیا جائے اور تجارت کی اہمیت وخصوصیت سے آگاہ کرایا جائے؛ چنانچہ قابل مبارک باد ہیں

مولانا کلیم اللہ صاحب قاسمی سیتاپوری جو کہ صالحیت اور صلاحیت دونوں کے حامل ہیں انہوں نے یہ رسالہ ترتیب دیا، میں نے اس رسالہ کو جستہ جستہ مقامات سے پڑھا میں سمجھتا ہوں کہ موصوف اپنی کاوش میں کافی حد تک کامیاب ہیں۔

اللہ رب العزت کتاب، صاحب کتاب دونوں کو قبولیت سے نوازے اور دارین کی سعادت سے مالامال فرمائے۔آمین فقط

عبدالرؤف سیتاپوری

خادم دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

۲۵/۴/۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام دین فطرت ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اہم اور مفید ہدایات دی ہیں، جن پر اگر خلوص سے عمل کیا جائے تو نہ صرف معاشرتی اور اجتماعی خرابیوں سے بچا جاسکتا ہے؛ بلکہ خود انسان سچا اطمینان اور سکون حاصل کرسکتا ہے، انہیں ہدایتوں میں سے وہ اسلامی احکامات بھی ہے، جو خرید وفروخت اور تجارت سے متعلق وارد ہوئے ہیں، معاشی اور اقتصادی میدان میں دینی اصول اور تعلیمات پر جمے رہنا اور ظاہری اور دنیوی منفعت کے مقابلہ میں رضاء ایزدی کو طلب کرتے رہنا؛ اگرچہ بڑی آزمائش کی بات ہے؛ لیکن یہ نہایت قابل قدر اور باعث اجر عمل ہے، خرید وفروخت کے یہ احکامات صرف تاجروں اور دوکانداروں کے لئے خاص نہیں ہیں؛ بلکہ یہ ہدایات بلا امتیاز سبھی افراد امت کے لئے ہیں؛ اس لئے کہ تقریباً ہر شخص کو زندگی میں بار بار ضرورت کی چیزیں خریدنے اور کبھی کبھی بیچنے کی نوبت بھی آتی ہے؛ لہٰذا ضرورت ہے کہ ان نبوی تعلیمات کو مدنظر رکھا جائے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

کسبِ حلال کی اہمیت

اسلام میں انسانی تخلیق کا بنیادی مقصد اگرچہ معاش نہیں؛ لیکن اسلام انسان کے معاشی مسئلے سے بے فکر بھی نہیں ہے، شریعت اسلامیہ آدمی کو صرف دنیا ہی کا ہو کر رہ جانے سے ممانعت کرتی ہے؛ لیکن کسب دنیا اور تحصیل معاش سے منع نہیں کرتی۔

انسان مسئلہ معاش کو مقصد زندگی نہ بنائے اسلامی اصول وقوانین کے حدود میں رہتے ہوئے جتنا چاہے دنیا کمائے اور دنیا کی چیزوں سے خوب مستفید ہو، اللہ تعالیٰ نے ساری چیزوں کی تخلیق اسی انسان کے لئے کی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِيْ الْاَرْضِ جَمِيْعًا. [البقرة:۲۹]

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِيْ الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ. [الاعراف:۱۰]

ہم نے زمین میں تم کو اقتدار عطا کیا اور تمہارے لئے اس میں زندگی کے اسباب فراہم کئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ. [النحل:۱٤]

تمہارا حصہ جو دنیا میں ہے اسے بھول نہ جاؤ، وہی خدا جس نے دریا کو اس لئے تمہارے تابع کیا تا کہ اس سے تازہ گوشت (مچھلی) کھاؤ اور اس سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم خدا کے فضل (روزی) کو تلاش کرو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِيْ الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورة الجمعة:۱۰]

جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرو تا کہ تم کامیاب رہو۔

حلال کمائی حاصل کرنا فرض ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال اور پاک روزی کمانا فرض ہے فرائض کے بعد۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲)

یعنی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی معاشی ضروریات کی کفالت کے لئے اپنے دست وبازو کی محنت سے کمانا فرض ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ پہلے ان کا درجہ ہے، ان فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حلال روزی کمانا فرض ہے۔

اس حدیث میں کمانے کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ کمائی کرنا فرض بھی ہے اور مستحب بھی، اور اسی طرح مباح بھی ہے اور حرام بھی؛ چنانچہ اتنا کمانا فرض ہے جو کمانے والے اور اس کے اہل وعیال کی معاشی ضروریات کے لئے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے اور اس سے زیادہ کمانا مستحب ہے، بشرطیکہ اس نیت کے ساتھ زیادہ کمائے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے جو بچے گا وہ فقراء ومساکین اور اپنے دوسرے مستحق اقرباء پر خرچ کروں گا، اسی طرح ضروریات زندگی سے زیادہ کمانا اس صورت میں مباح ہے؛ جبکہ نیت اپنی شان وشوکت اور اپنے وقار وتمکنت کی حفاظت ہو؛ البتہ محض مال ودولت جمع کرکے فخر وتکبر کے اظہار کے لئے زیادہ کمانا حرام ہے؛ اگرچہ حلال ذرائع ہی سے کیوں نہ کمایا جائے۔ (مستفاد: مظاہر حق ۳/۷)

اپنے ہاتھ کی کمائی

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: سب سے پاکیزہ کھانا جو تم کھاتے ہو تمہاری کمائی کا ہے۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲، بخاری شریف ۱/۲۷۸، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ)

حضرت مقداد بن معدیکربؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد گرامی کے ذریعہ جہاں یہ اشارہ فرمایا کہ کسب یعنی اپنی روزی خود کمانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل سے معلوم ہوا؛ اس لئے تم بھی ان کے طریقوں کو اختیار کرو، وہاں آپ نے اپنی روزی خود اپنی صنعت وحرفت کے ذریعہ کرنے کی ترغیب دلائی؛ اس لئے کہ اس میں بہت سے فائدے ہیں مثلاً جو شخص اپنی صنعت وحرفت سے کماتا ہے نہ صرف یہ کہ خود اسے منافع حاصل ہوتے ہیں؛ بلکہ دوسروں کو بھی اس کی صنعت وحرفت سے فائدہ پہونچتا ہے، ایسا شخص اپنے پیشہ میں مصروف رہنے کی وجہ سے بہت سی بری باتوں اور لہو ولعب سے محفوظ رہتا ہے۔

نیز اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے سے کسر نفسی بھی پیدا ہوتی ہے؛ اس لئے وہ اپنے نفس کی سرکشی سے بچا رہتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص کسی کا محتاج نہیں رہتا، کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا اور اسے ایک آبرومند زندگی حاصل رہتی ہے۔

اولاد کی کمائی کھانا

ایک اور حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاؤ

اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔ (ترمذی شریف ۱/۲۵۲، باب ماجاء أن الوالد یاخذ من مال ولدہ، نسائی بحوالہ مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲)

ابوداؤد اور دارمی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انسان جو کچھ کھاتا ہے اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو اسے اس کی کمائی سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔

اولاد کو کمائی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ ماں باپ کے آپس کے نکاح کے نتیجہ ہی میں پیدا ہوتی ہے، مذکورہ ارشاد گرامی میں اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ماں باپ خود کمانے کے قابل نہ ہوں تو ان کے لئے اپنی اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے ہاں اگر ماں باپ خود دست و بازو کی محنت سے اپنے رزق کی راہیں بنا سکتے ہوں، تو پھر ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اولاد پر بار بنیں؛ البتہ اگر اولاد یہ چاہتی ہو کہ والدین اس کی کمائی کھائیں، تو بہرصورت اولاد کی کمائی کھانا جائز ہوگا۔
(مستفاد: مظاہر حق ۳/۲۳)

بہترین کمائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین کمائی ان تاجروں کی ہے، جو جھوٹ نہیں بولتے، امانت میں خیانت نہیں کرتے، وعدہ خلافی نہیں کرتے اور خریدتے وقت اس چیز کی مذمت نہیں کرتے (تاکہ بیچنے والا قیمت کم کر کے دیدے) اور جب (خود) بیچتے ہیں تو (بہت زیادہ) تعریف نہیں کرتے (تاکہ زیادہ نفع ملے) اور اگر ان کے ذمہ کسی کا کچھ (حق) نکلتا ہو تو ٹال مٹول نہیں کرتے اور اگر خود ان کا حق کسی کے ذمہ نکلتا ہو تو وہ وصول کرنے میں تنگ نہیں کرتے۔ (مستفاد: الترغیب والترہیب ۳/۵۸۶)

پاکیزہ کمائی

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روای ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا گیا کہ سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر وہ تجارت جو مقبول ہو (یعنی شرعی اصول وقوانین کے مطابق ہو) (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲)

آپ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ سب سے بہتر تو وہ کسب و پیشہ ہے، جس میں انسان کو اپنے ہاتھوں سے محنت کرنی پڑتی ہو اور اگر کوئی شخص ہاتھوں کی محنت والا کسب اختیار نہ کر سکے تو پھر ایسی تجارت کے ذریعہ اپنی حلال روزی پیدا کرے جس میں دیانت وامانت کی روح بہر صورت کارفرما ہے؛ کیونکہ ایسی تجارت بھی پاک اور حلال کسب (کمائی) ہے۔

مسلمانوں کے لئے معاشی استحکام ضروری

اس دور میں مسلمانوں کے لئے معاشی واقتصادی استحکام بیحد ضروری ہے؛ تاکہ ان سازشوں کا قلع قمع کیا جاسکے جو اس راہ سے مسلمانوں کے خلاف کی جارہی ہیں یقیناً مال و دولت کے بارے میں قرآن کریم نے متاع الغرور (دھوکہ کا سامان) فتنہ (آزمائش) اور عدو (دشمن) کے الفاظ استعمال کئے ہیں؛ لیکن یہ اسی وقت ہے جب آخرت کو پس پشت ڈال کر فکر معاش کو ہی اصل بنالیا جائے اور حصول دولت کے جائز وناجائز طریقوں کے مابین کوئی خط امتیاز نہ ہو، ورنہ جائز حدود میں رہتے ہوئے مال وزر کی تحصیل اور غربت ونا داری سے چھٹکارا پانے کی کوشش مذموم نہیں محمود ہے،

مسلمانوں کی موجودہ معاشی واقتصادی حالات کے لئے حضرت سفیان ثوریؒ کا درج ذیل اثر بہت اہمیت رکھتا ہے۔

دولت مومن کے لئے ڈھال ہے

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: کہ گذشتہ زمانہ میں مال کو برا سمجھا جاتا تھا (کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں میں زہد وقناعت پسندی بہت زیادہ تھی، علاوہ ازیں اس وقت کے بادشاہوں، حاکموں کی طرف سے اپنی رعایا کی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کا خاص انتظام ہوتا تھا، اور لوگ بلا کسی سعی وکوشش کے اور بغیر کسی الجھن وپریشانی کے گھر بیٹھے قوت لایموت حاصل کر لیتے تھے؛) اس لئے روپیہ پیسہ کمانے اور مال ودولت حاصل کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا) لیکن جہاں تک اس زمانہ کا تعلق ہے تو اب مال ودولت مسلمانوں کی ڈھال ہے (کیونکہ آج کل کے لوگوں میں زہد وقناعت کے جذبات مضمحل ہوگئے ہیں اور ضروریات زندگی کی احتیاج کا بہت زیادہ غلبہ ہوگیا ہے؛ علاوہ ازیں اب سلاطین وامراء اور حکومتوں کی طرف سے لوگوں کی کفالت کا کوئی نظم بھی باقی نہیں رہا ہے، نتیجہ کے طور پر اگر کوئی شخص کسب ومحنت کر کے مال حاصل نہ کرے تو اس کو اپنی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے ان لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، جو مالی واخلاقی مدد واعانت سے زیادہ ذلیل وخوار کرتے ہیں، اس صورت حال میں حلال مال مومن کے لئے بہت بڑی ڈھال ہے، جس کے ذریعہ وہ نہ صرف حرام ومشتبہ معاملات میں پڑنے سے بچتا ہے؛ بلکہ دنیادار امراء اور ظالموں کی مصاحبت وحاشیہ نشینی کی ذلت وخواری سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے)

آ گے حضرت سفیان ثوریؒ نے یہ بھی فرمایا: اگر (ہم لوگوں کے پاس) یہ درہم و دینار اور روپیہ پیسہ نہ ہوتے تو یہ (آج کے سلاطین و امراء ہمیں ذلیل و پامال کر ڈالتے)

نیز انہوں نے فرمایا: کسی شخص کے پاس اگر تھوڑا ہی مال ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی اصلاح کرے (یعنی اس تھوڑے سے مال کو یوں ہی ضائع نہ ہونے دے؛ بلکہ تدبیر و ہنرمندی کے ساتھ اس کو کسی تجارت وغیرہ میں لگا کر بڑھانے کی سعی کرے یا اس کو بہت کفایت و قناعت کے ساتھ خرچ کرے تاکہ جلدی ختم نہ ہو جائے) کیونکہ ہمارا زمانہ ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی محتاج و مفلس ہوگا تو (دنیا حاصل کرنے کی خاطر) اپنے دین کو اپنے ہاتھ سے کھونے والا سب سے پہلا شخص وہی ہوگا، حضرت سفیان ثوریؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حلال مال اسراف کا روادار نہیں ہوتا۔ (شرح السنۃ، مشکوۃ شریف ۲/۴۵۱)

حضرت سفیان ثوریؒ نے جس عہد میں مسلمانوں کو یہ مشورے دیئے تھے، وہ آج سے بہت زیادہ اچھا عہد تھا اسلامی خلافت و امارت کا زمانہ تھا مسلمانوں کے لئے اقتصادی و معاشی زندگی کے لئے وہ خطرات بالکل نہیں تھے جو آج ہیں اور نہ مسلمانوں کے سامنے وہ بدترین داخلی و خارجی مسائل تھے، جو آج منہ پھاڑے کھڑے ہیں نہ وہ خفیہ پالیسیاں اور ریشہ دوانیاں تھیں، جن سے آج مسلمان دوچار ہیں؛ لہٰذا کل کے مقابلہ میں آج اس مشورہ پر عمل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

کسب معاش میں اعتدال

جہاں آپ نے کسب حلال کی تلقین فرمائی ہے، اس کو سراہا ہے اور حوصلہ افزائی فرمائی ہے وہیں یہ بھی ہدایت دی ہے کہ اس میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی جائے، حقیقت یہ ہے کہ دولت کی حرص اور طمع بعض اوقات انسان کے ذہن و دماغ پر جنون

وآسیب کی طرح سوار ہوجاتی ہے اور وہ اس میں ایسا اندھا ہوجاتا ہے کہ حلال وحرام کی ساری حدوں کو پھلانگ جاتا ہے، تہذیب واخلاق کی دیواروں کو ڈھادیتا ہے اور خدا فراموشی اور خود فراموشی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: دولت مال کی کثرت کا نام نہیں؛ بلکہ قلب کے استغناء کا نام ہے، جو کچھ مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا؛ اس لئے طلب معاش میں اعتدال سے کام لو''**فَاجْمِلُوْا فِيْ الطَّلَبِ**'' (مجمع الزوائد، کتاب الاکتساب فی طلب الرزق ۴/۱۷)

غزوۂ تبوک کے موقع سے آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے خصوصیت سے اس کی تلقین فرمائی اور فرمایا جیسے موت انسان تک پہنچ کر رہتی ہے، اسی طرح رزق انسان تک پہنچ کر رہتا ہے۔ (مجمع الزوائد، کتاب الاکتساب فی طلب الرزق ۴/۱۷)

اسی لئے قرآن مجید نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جن کے لئے تجارت اور کاروبار دنیا نماز وزکوۃ اور ذکر الٰہی کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكَاةِ. [سورة النور:۳۷]

اور اسی لئے حدیثوں میں بازار کو خراب جگہ قرار دیا گیا ہے۔''**أبغض البقاع إلى الله الأسواق**''۔ (تخریج عراقی علی حدیث احیاء ۲/۸۶)

کسب معاش میں اعتدال یہ ہے کہ فرائض وواجبات سے غفلت نہ ہو، حرام اور ممنوع طریقوں کا ارتکاب نہ ہو، حسد اور رقابت کی آگ سے اپنے سینوں کو نہ جلائے۔ اور دین وآخرت کی فکر کے بجائے صرف طلب دنیا کو اپنی تمام فکر اور عمل کا مقصود ومطلوب نہ بنائے۔

اَللّٰهُمَّ لا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا.

تجارت عبادت میں خلل انداز نہ ہو

تجارت کی ان صورتوں میں کہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے، یہ بھی ہے کہ وہ خالص عبادت میں خلل کا باعث بنتی ہو، قرآن مجید نے جمعہ کے بارے میں خصوصیت سے تاکید کی کہ جب اذان جمعہ ہوجائے تو نماز کے لئے دوڑ پڑو۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ. [سورة الجمعة:۹]

جمعہ کے لئے چوں کہ زیادہ وقت مطلوب ہوتا ہے اور نماز کے علاوہ خطبہ بھی ہوتا ہے، اس لئے خاص اہتمام سے توجہ دلائی گئی، ورنہ ہر نماز اور عبادت کے لئے یہی حکم ہے۔

اسی طرح مساجد خالصۃً اللہ کے ذکر، دین کی دعوت وتذکیر اور عبادت کی جگہ ہے، یہاں خرید وفروخت میں اندیشہ ہے کہ دوسروں کی نماز اور عبادت میں خلل نہ پیدا ہوجائے اس لئے مسجدوں میں خرید وفروخت کو روکا گیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو مسجد میں فروخت کرتے یا خرید کرتے ہوئے دیکھو تو کہدو کہ خدا تمہاری تجارت کو نفع سے محروم کردے۔ **لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَکَ۔**

نماز کے وقت صحابۂ کرام کی حالت

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے وقت فوراً کاروبار بند کرکے اللہ کی عبادت کے لئے مسجدوں کی طرف چل پڑتے تھے، اللہ کے ذکر اور نماز کے مقابلہ میں وہ کسی بڑے سے بڑے دنیوی فائدہ کا بھی خیال نہیں کرتے تھے، ان کی اس صفت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ. [سورة النور:۳۷]

وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ دینے سے ڈرتے رہتے ہیں، اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحب زادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گذرے تو نماز کا وقت ہوگیا تھا، لوگوں کو دیکھا کہ دوکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جارہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے:

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. [سورة النور:۳۷]

عہد رسالت میں دو صحابی تھے، ایک تجارت کرتے تھے اور دوسرے صنعت و حرفت یعنی لوہار کا کام کرتے تھے، اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے، پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹخ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں اذان کی آواز آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں مونڈھے کے پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے، اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہ تھا، ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(قرطبی بحوالہ معارف القرآن ۶/۴۳۰)

حرام کمائی کھانے پر وعید

حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوۃ شریف ۲۴۳/۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس (انسانی) گوشت نے حرام آمدنی سے نشو ونما پائی وہ (بغیر سزا بھگتے) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوۃ شریف ۲۴۲/۱)

اسی حدیث میں آگے فرمایا گیا:

وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ أَوْلىٰ بِهٖ.

اور جو گوشت (جسم) مال حرام سے نشو ونما پائے وہ دوزخ کی آگ ہی کے لائق ہے۔
(مشکوۃ شریف ۲۴۲/۱)

ترغیب وترہیب کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنادے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! اپنا کھانا پاک اور حلال بنالو مستجاب الدعوات بن جاؤ گے، اور قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، بندہ حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے تو اس کا چالیس دن تک کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا۔ (الترغیب والترہیب ۵۳۵/۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور اس میں ایک درہم حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز قبول نہیں کرے گا؛ جب تک اس کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ۵۳۶/۲)

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور فرمایا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور عیوب سے) پاک ہے اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (صدقات واعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے) پاک ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے، اسی چیز کا حکم تمام مومنین کو بھی دیا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيم. [المؤمنون: ۳۷]

اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيٓ أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُونَ. [المائدة:۸۸]

اے مومنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول طویل سفر اختیار کرتا ہے پراگندہ بال اور غبار آلودہ ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! (یعنی اپنے مقاصد کے لئے دعا مانگتا ہے) حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، شروع سے اب تک اس کی پرورش حرام ہی (غذاؤں) سے ہوئی، پھر کیونکر اس کی دعا قبول کی جائے۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۱)

معاملات میں نرمی کرنا

باہمی لین دین اور خرید وفروخت میں نرمی ومسامحت اختیار کرنا معاشرتی تعلقات کے استحکام اور آپس کے تعاون وہمدردی کے نقطۂ نظر سے انتہائی ضروری ہے، اس سے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت جابرؓ راوی ہیں: کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو خرید وفروخت اور تقاضہ کرنے میں نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لیتا ہو۔
(بخاری ۱/۲۷۸، رقم: ۲۰۲۹، مشکوۃ شریف ۱/۲۴۳)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں (یعنی گذشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ ''کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے اس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے'' (کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو) اس سے پھر کہا گیا کہ ''اچھی طرح سوچ لے'' اس نے کہا کہ قطعاً یاد نہیں آرہا ہے (ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ) میں دنیا میں جب لوگوں سے (خرید وفروخت کے) معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت (یعنی مطالبات کی وصولی کے وقت) ان پر احسان کیا کرتا تھا بایں طور کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کر دیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا بعض حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کر دیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے اسی عمل سے خوش ہوکر) اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری ۱/۲۷۸، رقم: ۲۰۳۰)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں جو عقبہ ابن عامر اور ابومسعود انصاریؓ نے اسی کے مثل

(یعنی کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ) نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ (جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا (یعنی معاف کرنے کا) حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہوں (اور پھر فرشتوں سے کہا کہ) میرے اس بندہ سے درگزر کرو۔ (مسلم شریف ۲/۱۸)

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مطالبات کی وصولی میں مستطیع کو مہلت دینا اور نادار شخص کو معاف کر دینا بڑے ثواب کی چیز ہے۔

خرید وفروخت میں قسمیں کھانا

حضرت قتادہؓ راوی ہیں کہ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی تجارتی زندگی میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرو؛ کیونکہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانا (پہلے تو) کاروبار کو رواج دیتا ہے، مگر پھر برکت کو کھو دیتا ہے۔ (مسلم ۲/۳۲، مشکوۃ شریف ۱/۲۴۳)

مذکورہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانے کیوجہ سے وقتی طور پر کاروبار میں وسعت ہوتی ہے لوگ قسم پر اعتبار کر کے زیادہ خریداری کی طرف مائل ہوتے ہیں؛ لیکن انجام کے اعتبار سے زیادہ قسمیں کاروبار میں خیر وبرکت کو ختم کر دیتی ہیں؛ اس لئے کہ جب زیادہ قسمیں کھائے گا تو ان میں جھوٹی قسمیں بھی ہوں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باطنی طور پر اس کی تجارت سے خیر وبرکت کی روح نکل جائے گی دوسرے اس کا اعتبار آہستہ آہستہ اٹھنے لگے گا اور لوگ اس سے لین دین کرنے میں تأمل کرنے لگیں گے۔

تاجر لوگ صدقہ کیا کریں

قیس بن غرزہ (جو سوداگری کرتے تھے) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں ہم لوگوں کو (سوداگروں کو) سماسرہ کہا جاتا تھا (ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہماری طرف ہوا تو آپ ﷺ نے ہمارے طبقہ کو ایسا نام عطا کیا جو ہمارے پہلے نام سے کہیں بہتر ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اے طبقہ تجار! تجارت میں اکثر بے فائدہ لغو باتیں اور (بہت زیادہ) قسم (یا کبھی کبھی جھوٹی قسم) کھانے کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں؛ اس لئے تم تجارت کو صدقہ وخیرات کے ساتھ ملائے رکھو۔ (ابوداؤد ۲/۴۷۲، ابن ماجہ ۱۵۵، مشکوۃ شریف ۱/۲۴۳)

مذکورہ حدیث شریف میں ''تجارت کو صدقہ وخیرات کے ساتھ ملائے رکھو'' کا مطلب یہ ہے کہ تجارتی زندگی میں عام طور پر بے فائدہ باتیں اور جھوٹی سچی قسموں کا صدور ہوتا رہتا ہے اور یہ دونوں ہی چیزیں پروردگار کے غضب وغصہ کا باعث ہیں؛ اس لئے تم ان دونوں چیزوں کے کفارہ کے طور پر اپنا کچھ مال صدقہ وخیرات کرتے رہا کرو؛ کیونکہ صدقہ وخیرات اللہ تعالیٰ کے غضب وغصہ کو دور کرتا ہے۔ (مظاہر حق ۳/۴۰)

تاجر لوگ ڈریں

حضرت عبید بن رفاعہ (تابعی) اپنے والد محترم حضرت رفاعہ بن رافع انصاریؓ (صحابی) سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تاجر لوگوں کا حشر فاجروں (دروغ گو اور نافرمان لوگوں) کے ساتھ ہوگا ہاں (وہ تاجر اس سے مستثنیٰ ہوں گے) جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی (یعنی جھوٹ خیانت وفریب دہی وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے) اور نیکی کی (یعنی اپنے تجارتی معاملات میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور عبادت خداوندی میں کاہلی وسستی نہ کی) اور سچ پر قائم رہے۔ (تو جنت کے مستحق ہوں گے)۔ (ابن ماجہ: ۱۵۵، مشکوۃ شریف ۱/۲۴۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے (مہربانی وعنایت کا) کلام کرے گا نہ (بنظر رحمت وعنایت) ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان تینوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذرؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ خیر و بھلائی سے محروم اور اس ٹوٹے اور خسارے میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک تو ٹخنوں سے نیچے پائنچے لٹکانے والا دوسرا (کسی کو کوئی چیز دے کر) احسان جتانے والا، تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانے والا۔ (ترمذی شریف ۱/۲۳۰)

مسائل تجارت کا جاننا ضروری

اسی طرح ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر تاجر کے لئے مسائل تجارت کا جاننا اسی طرح ضروری ہے، جس طرح ایک نمازی کے لئے نماز کے مسائل کا جاننا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کرام اور فقہاء اسلام کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ اپنی کتاب فضائل تجارت میں لکھتے ہیں، کہ حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم ص: ۲/۶۴، میں مستقل باب کے تحت بیان فرمایا ہے کہ بیع اور شراء کے ذریعہ مال حاصل کرنے کے مسائل کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے، جو اس مشغلہ میں لگا ہوا ہو، کیونکہ علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس سے ان تمام مشاغل کا علم طلب کرنا مراد ہے، مشغلہ رکھنے والوں کو جن مسائل کی حاجت ہو اور کسب کرنے والا کسب کے مسائل جاننے کا محتاج ہے اور جب اس سلسلہ کے مسائل جان لے گا، تو معاملات کو فاسد کرنے والی چیزوں سے واقف ہو جائے گا، لہٰذا اس سے بچے گا

اور ایسے شاذ و نادر مسائل جو باعث اشکال ہوں گے ان کے ہوتے ہوئے معاملہ کرنے میں سوال کر کے علم حاصل کرنے تک توقف کرے گا، کیونکہ جب کوئی شخص معاملات کو فاسد کرنے والے امور کو اجمالی طور پر نہ جانے تو اسے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ میں کس کے بارے میں توقف کروں اور سوال کر کے اس کو جانوں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں پیشگی علم حاصل نہیں کرتا اس وقت تک کام کرتا رہوں گا جب تک کوئی واقعہ پیش نہ آجائے، جب کوئی واقعہ پیش آئے گا تو معلوم کرلوں گا، تو اس شخص کو یہ جواب دیا جائے گا کہ جب تو اجمالی طور پر معاملات کو فاسد کرنے والی چیزوں کو نہ جانے گا، تو تجھے کیسے پتہ چلے گا کہ مجھے فلاں موقعہ پر معلوم کرنا چاہئے جسے اجمالی علم بھی نہ ہو وہ برابر تصرفات کرتا رہے گا اور ان کو صحیح سمجھتا رہے گا، لہذا علم تجارت سے اولاً اس قدر جاننا ضروری ہے کہ جس سے جائز و ناجائز میں تمیز ہو اور یہ پتہ چل سکے کہ کون سا معاملہ وضاحت کے ساتھ جائز اور صحیح ہے اور کس میں اشکال ہے۔

(فضائل تجارت ص: ۷۷-۷۸)

اور التراتیب الاداریہ: ۱۶/۲، میں بھی ایک باب قائم کیا ہے کہ شروع زمانہ اسلام میں اس وقت تک لوگ بیع وشراء نہیں کرتے تھے، جب تک کہ اس کے احکام اور آداب کو نہ سیکھ لیتے تھے، اور یہ کہ خرید وفروخت میں سود سے کیسے بچیں گے، چنانچہ اس باب کے تحت آگے تحریر فرماتے ہیں:

امام شافعیؒ نے الرسالہ میں اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کسی مکلّف کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی معاملہ پر اقدام کرے یہاں تک کہ یہ نہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس میں کیا ہے، اور امام قرافی مالکیؒ نے کتاب الفروق میں فرمایا ہے کہ جو خرید وفروخت کا کام کرے اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ یہ

سیکھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا چیز مشروع فرمائی ہے، اور جو اجارہ داری کرے اس کے ذمہ ہے کہ اجارہ کے احکام کو جانے اور جو قرض کے لین دین کا معاملہ کرے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو سیکھے اور جو نماز پڑھے اس کے ذمہ اس نماز کے احکام جاننے ضروری ہیں اور اس قاعدہ پر قرآن مقدس کی وہ آیت دلالت کرتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام پر عتاب فرمایا تھا، اور اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا "**إِنِّـي أَعُـوْذُ بِكَ أَنْ أَسْـئَـلُكَ مَالَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْم** (سورة هود: ۴۷)" یعنی جس سوال کے جواز کا علم نہیں اس سے پناہ چاہتا ہوں، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس بات پر عتاب کیا گیا کہ وہ اپنے لڑکے کے بارے میں سوال کر بیٹھے کہ (طوفان کے وقت) اس کو بھی کشتی میں لے لیں، (تاکہ وہ غرق آبی سے بچا رہے) اور یہ بات پہلے نہ معلوم کر سکے کہ یہ طلب ٹھیک بھی ہے یا نہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ عتاب اور حضرت نوح علیہ السلام کا یہ جواب دونوں اس بات پر دال ہیں کہ کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کے جواز اور عدم جواز اور متعلقہ احکام کا جاننا ضروری ہے۔

دوسری آیت میں ہے:

وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْم. [سوره بني اسرائيل:۳۶]

جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو۔ (فضائل تجارت ص:۷۹)

اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے اپنے نبی کو غیر معلوم کے اتباع سے منع کیا ہے، لہٰذا کسی کام کو شروع کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کام کا علم نہ ہو جائے، معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنا ہر حال میں ضروری ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ**"

ہر مسلمان پر علم سیکھنا ضروری ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طلب علم دو طرح پر ہے، ایک فرض عین، دوسرا فرض کفایہ، فرض عین تو ہر وہ علم ہے جس سے واسطہ پڑے، اس کے علاوہ کا علم فرض کفایہ ہے۔

اور کتاب ''الروحۃ المشتبکہ'' میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ عجمی (جہلاء) لوگ ہم لوگوں میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک خرید وفروخت کے احکام کو نہ جان لیں اور اس کی اصلیت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ملتی ہے، کیونکہ آپ بھی ہر اس شخص کو جو کوئی کام کرنا چاہتا تھا اس کے احکام اور ضروریات سکھایا کرتے تھے۔ (فضائل تجارت ص:۸۰-۸۹)

اور مجاجیؒ نے شرح مختصر ابن ابی جمرہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کا قول ہے کہ جو خرید وفروخت کے احکام نہ جانتا ہو اس کے لئے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا اور بازار میں بیٹھنا جائز نہیں، اور جو یہ کرنا چاہے اس پر بہت ضروری ہے کہ پہلے اس کے احکام کو سیکھے اور اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور یہی امام مالکؒ نے'' کتاب القراض'' میں فرمایا ہے، اور مدونہ میں فرمایا ہے کہ میرے نزدیک لین دین کا معاملہ کرنا اس شخص کے لئے درست نہیں جو (اپنی جہالت کی وجہ سے) حرام کو حلال کرے یا حلال حرام میں تمیز ہی نہ کرتا ہو، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص کو انہوں نے یہ کہہ کر بازار بھیجا کہ جو خرید وفروخت کے احکام نہ جانتا ہو اس کو بازار سے نکال دے، اور مدخل ابن الحجاج میں ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمرؓ اس کو کوڑے بھی لگایا کرتے تھے، جو احکام جانے بغیر خرید وفروخت کرنے بیٹھ جاتا، اور فرماتے ہمارے بازاروں میں وہ شخص نہ بیٹھا کرے جو سود کو نہ جانتا ہو۔

امام مالکؒ نے بھی اس شخص کو بازار سے نکلوا دینے کا حکم فرمایا تھا جو احکام کو نہ جانتا ہو، تا کہ (مسائل سے جہالت کی وجہ سے) لوگوں کو سود نہ کھلا دے، اور میں نے سیدی ابو محمد سے سنا کہ ان کے زمانہ میں محتسب (داروغہ) بازار میں جاتا اور ہر ہر دوکان پر ٹھہرتا اور دوکاندار سے اس کے متعلق مسائل معلوم کرتا کہ کس طرح کرنے سے سود ہو جائے گا اور کیسے سودی کام سے بچے گا، اگر وہ صحیح صحیح جواب دیدیتا تو اس کو چھوڑ دیتا اور جو ان احکام میں سے کسی سے بھی لاعلمی کا اظہار کرتا اس کو نکال دیتا اور کہتا کہ تمہارے لئے مسلمانوں کے بازار میں نکلنا جائز نہیں تم لوگوں کو سود اور ناجائز چیزیں کھلاتے ہو۔ (فضائل تجارت ص:۸۰)

اور ابو طالب مکی کی قوت القلوب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بازار میں گھوما کرتے اور بعض تاجروں کو (احکام نہ جاننے کی وجہ سے جیسا کہ پہلے گذرا) کوڑے بھی لگاتے اور فرماتے کہ ہمارے بازار میں صرف احکام جاننے والے ہی خرید وفروخت کریں ورنہ خواہ مخواہ سود کھا ہی لیں گے اور کنز العمال میں مرفوعاً نقل کیا ہے، کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہی آدمی خرید وفروخت کیا کرے جو دینی مسائل جانتا ہو۔

اور تنبیہ المغترین میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ حکام کو فرماتے تو وہ تاجروں اور بازار کے لوگوں کو حضرت امام صاحب کے سامنے پیش کرتے امام صاحب ان سے سوالات کرتے، اگر کوئی ایسا شخص ان میں پاتے جو احکام معاملات کی سوجھ بوجھ نہ رکھتا ہو اور حرام وحلال میں تمیز نہ کرنے والا ہو تو اس کو بازار سے نکلوا دیتے اور اس سے فرماتے کہ (پہلے) خرید وفروخت سے متعلق مسائل کو سیکھو پھر بازار میں بیٹھو، کیونکہ اگر مسائل سے ناواقف ہوگا تو سود کھائے گا۔

علامہ زرقانیؒ نے شرح مختصر میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ تاجروں کی شہادت

کسی معاملہ میں اس وقت تک مقبول و جائز نہیں جب تک وہ اپنے متعلقہ خرید وفروخت کے مسائل کو نہ سیکھ لیں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں فتاویٰ سراجیہ ص:۳۲۴ر سے نقل کیا ہے کہ کسی کو تجارت میں مشغول ہونا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ بیع وشراء کے احکام کو نہ جان لے کہ کیا جائز ہے اور کیا نہیں۔

فتاویٰ بزازیہ میں نقل کیا ہے کہ کسی کو تجارت میں مشغول ہونا اس وقت جائز نہیں جب تک بیع سے متعلق مسائل کو زبانی یاد نہ کر لے اور پہلے زمانہ میں تجار جب سفر کرتے تھے، (اور خود مسائل سے ناواقف ہوتے تھے) تو اپنے ساتھ کسی فقیہ کو بھی رکھا کرتے تھے، تاکہ اس سے مسائل پوچھتے رہیں۔ (فضائل تجارت ص:۸۱)

حضرت امام محمدؒ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تقویٰ کے بارے میں ایک کتاب لکھ دیجئے انہوں نے فرمایا میں نے بیوع (خرید وفروخت) کے سلسلے میں ایک کتاب لکھ دی ہے، ان مسائل کا خیال کر کے جب کوئی شخص خرید وفروخت کرے گا، اور ناجائز سے بچے گا تو متقی ہوگا، اس کا کسب حلال ہوگا اور عمل اچھا ہوگا۔ (بلوغ الامانی ص:۸۲، فضائل تجارت ص:۸۲)

قرض دار کی رعایت

حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سختیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ مفلس وتنگدست کو مہلت دے یا قرض کا بوجھ اس کے سر سے اتار دے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کر دے) (مشکوۃ شریف ۱/۲۵۱)

حضرت ابوالیسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرورکونین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ (مشکوۃ شریف ۲۵۱/۱، ابن ماجہ: ۱۷۴)

امام احمدؒ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مفلس وتنگدست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک ہر دن اس کو اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے تو پھر اسے مہلت دیدے تو اس کو ادائیگی کا دن آنے تک ہر دن کے بدلے اس قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے تو پھر اسے مہلت دیدے تو اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے دوگنی مقدار کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ۳۶۰/۵)

اس روایت کو تمثیلی طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص نے کسی کو دو مہینے کے وعدہ پر ایک سو روپیہ قرض دیا اور دو مہینے کے بعد اس کی مفلسی وتنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک مہینے کی اور مہلت دیدی تو اسے پورے مہینے اس طرح ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ ہر دن ایک سو روپیہ صدقہ وخیرات کرتا ہے، اسی طرح ایک مہینہ کی مدت گذر جانے کے بعد دوبارہ مہلت دینے میں ایسا ہی ثواب ملتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ مہلت دے گا تو اسے ہر دن ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ وہ ہر دن دوسو روپیہ صدقہ وخیرات کرتا ہے۔ (مظاہر حق ۵۲/۳)

ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود تاخیر کرنا ظلم ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحبِ استطاعت کا ادائیگی قرض میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (مشکوۃ شریف ۲۵۱/۱)

حضرت شرید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مستطیع

شخص کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا اس کی بے آبروئی اور اسے سزا دینے کو حلال کرتا ہے ابن مبارکؒ فرماتے ہیں: ایسے شخص کی بے آبروئی کا حلال ہونا یہ ہے کہ اسے ملامت کی جائے اور اسے سزا دینا یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۵۳)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت اور مالدار ہونے کے باوجود بلا عذر اپنے قرض خواہ کا قرض ادا نہ کرے تو اس کی آبروریزی بھی مباح ہے اور اس کو سزا دینا بھی درست ہے؛ اس لئے کہ بلا عذر ادائیگی میں ٹال مٹول ایک طرح کا ظلم ہے۔

قرض خواہ تقاضہ کرسکتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس اونٹ کا) تقاضہ کیا (جو آپ ﷺ نے اس سے بطور قرض لیا تھا، اور تقاضہ بھی بڑی سخت کلامی سے کیا آپ ﷺ کے صحابہؓ نے جب اس کو سزا دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو؛ کیونکہ جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے؛ البتہ ایسا کرو کہ ایک اونٹ خرید کر اسے دیدو تا کہ اس کا مطالبہ ادا ہو جائے صحابہؓ نے عرض کیا کہ (اس نے آپ ﷺ کو بطور قرض جو اونٹ دیا تھا) اس کی عمر کا کوئی اونٹ نہیں مل رہا ہے؛ بلکہ اس سے زیادہ عمر کا اور اچھا مل رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اسی کو خرید لو اور اسے دیدو یا درکھو تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔ (مشکوۃ شریف ۱/۲۵۱)

قرض دار کی مدد اللہ کی طرف سے

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی سخت ضرورت کی

بناء پر قرض لے اور اس کی ادائیگی کی کوشش بھی کرتا ہو اور نیت بھی ادائیگی کی پختہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کرا دیتا ہے اس طریقہ پر کہ یا تو دنیا میں قرض دار کو قرض ادا کرنے کی استطاعت دیدیتا ہے یا آخرت میں حقدار کو خود ادا فرما کر اس کو سبکدوش کر دے گا، اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کو ضائع کرنے کا ارادہ ہو (یعنی کسی احتیاج وضرورت کے بغیر کسی سے قرض لے اور اس قرض کو نہ ادا کرے اور نہ ادا کرنے کی نیت رکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے (یعنی دنیا میں بھی اس بدنیت آدمی کو اس مال سے فائدہ نہ ہوگا اور آخرت میں بھی وبال جان بنے گا۔ (بخاری، مشکوۃ ۱/۲۵۲)

حضرت عمران بن حصینؓ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ قرض لے اور اللہ کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کرا دے گا۔ (نسائی بحوالہ معارف الحدیث ۷/۹۹)

ان تمام احادیث مبارکہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کے لئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر وثواب بیان فرمایا اور قرض لینے والوں کو بھی آگاہ کیا گیا کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں اگر خدانخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات سے سبق لینے کی توفیق دے اور دنیا سے اس حال میں اٹھائے کہ کسی بندہ کا قرض اور کوئی حق ہمارے ذمہ نہ ہو۔

وعدہ کی پختگی

عبداللہ ابن ابی الحمساء عامری سید الکونین حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سودا کر رہا تھا، بات چیت کرتے ہوئے اسے کوئی کام یاد آ گیا اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں واپس آ کر بات کروں گا آپ نے فرمایا اچھا! اب بات کی پختگی اور زبان کی پابندی ملاحظہ فرمایئے:

عبداللہ بن ابی الحمساء یہاں سے چلا تو اس کو کوئی اور ضرورت پیش آ گئی وہ اس میں ایسا لگا کہ اس کو اپنے وعدہ کا خیال بھی نہیں رہا یہ دن یونہی گذر گیا، پھر اگلا دن بھی گذر گیا تیسرے دن اسے خیال آیا کہ میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ کر رہا تھا، بات یہاں تک پہونچ چکی تھی میں ان کو ٹھہرا کر آیا تھا، اب چل کر بات پوری کر لینی چاہئے؛ چنانچہ عبداللہ بن ابی الحمساء آپ ﷺ کے مکان پر پہونچا معلوم ہوا دو روز گزر گئے، آج تیسرا دن ہے وہ مکان پر نہیں آئے، گھر والے خود پریشان ہیں، عبداللہ بن ابی الحمساء یہاں سے روانہ ہوا جہاں جہاں خیال تھا سب جگہ آنحضرت ﷺ کو تلاش کیا کہیں نہ ملے تو احتیاطاً اس جگہ بھی پہونچا جہاں بات چیت ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کو ٹھہرا کر آیا تھا۔

عبداللہ بن ابی الحمساء حضور ﷺ کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ محمد ابن عبداللہ ﷺ وہیں موجود ہیں اور عبداللہ بن ابی الحمساء کا انتظار کر رہے ہیں اور زیادہ حیرت اس کو اس بات پر ہوئی کہ مسلسل تین دن تک انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد بھی جب عبداللہ ابن ابی الحمساء سامنے آئے تو نہ لڑائی، جھگڑا تھا، نہ ڈانٹ ڈپٹ، صرف اتنا فرمایا اور وہ بھی دھیمی آواز سے **"یافتی لقد شققت علی أنا ھھنا منذ ثلاث انتظرک"** اے

صاحب! آپ نے پریشان کردیا تین دن ہوگئے یہاں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔
(ابوداؤد شریف ۲/۶۸۲)

تاجروں کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ اہم چیز ایفائے عہد اور اتمام وعدہ ہوتی ہے، آپ ﷺ اس اخلاقی صفت کا بہترین نمونہ تھے، آج کے ماحول میں بھی اس کی سخت ضرورت ہے؛ جبکہ وعدہ خلافی اور بدعہدی عام ہوچکی ہے اور ان اخلاق سوز بیماریوں کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا ہر تاجر جتنا ممکن ہوسکتا ہے اپنے ماتحت کو دبانے کی فکر میں رہتا ہے اور ٹال مٹول کا عادی ہوتا جارہا ہے، کاش کہ ہمارے تاجر پیشہ حضرات ان چیزوں کی طرف توجہ کریں اور پھر اسلامی ماحول بنے۔

تجارت میں سچائی اور امانتداری کرنے والے عرش کے سایہ میں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔
(ترمذی شریف ۱/۲۲۹، مشکوۃ شریف ۱/۲۴۳)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچ بولنے والا تاجر قیامت میں عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ۲/۵۷۱، رقم: ۲۶۵۶ بیروت)

الصدوق اور الامین دونوں مبالغے کے صیغے ہیں حدیث کا مطلب اور پیغام واضح ہے کہ جو تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار میں سچائی اور امانت یعنی دیانت داری کی پورے اہتمام سے پابندی کریں گے قیامت اور آخرت میں وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا .

[سورة النساء: ٦٩]

جو بندے اللہ ورسول کی فرمانبرداری کریں گے، وہ (قیامت وآخرت میں) ان مقبولین ومقربین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین (کے ساتھ) اور یہ سب بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

تجارت اور سوداگری بڑی آزمائش کا کام ہے، تاجروں کے سامنے بار بار ایسی صورتیں آتی ہیں کہ اگر وہ خدا کے حکم کے مطابق سچائی اور ایمانداری کرے، تو اس کو بظاہر نقصان ہوتا ہے اور اگر سچائی، دیانتداری کا لحاظ کرنے کے بجائے اپنی تجارتی مصلحت کے مطابق بازاری بات کرے تو ہزاروں لاکھوں کا نفع ہوتا ہے، ایسے موقع پر تاجر اپنی تجارتی مصلحت اور نفع نقصان سے صرف نظر کر کے اللہ کے حکم کے مطابق ہر حال میں سچائی اور امانتداری کی پابندی کرتا ہے، وہ خدائی امتحان میں بڑا کامیاب ہے، ایسے ہی تاجروں کو اس حدیث پاک میں بشارت سنائی گئی ہے کہ قیامت وآخرت میں وہ اللہ کے مقبول ترین بندوں کے ساتھ ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی سچائی ودیانتداری کا صلہ ہوگا۔ (مستفاد: معارف الحدیث ۷/۶۷-۶۸)

سامان فروخت کی خامیاں چھپائی نہ جائیں

ہر چند کہ شریعت اسلامی میں تجارت اور خرید وفروخت کے احکام بڑی تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں اور ان کی تفصیلات پر اصول وکلیات سے لے کر عام اور چھوٹی چھوٹی جزئیات تک سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے؛ لیکن کچھ ہدایات ایسی ہیں جو بنیادی

اوراساسی حیثیت کی حامل ہیں، پہلے ان کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اس میں پہلی قابل ذکر چیز یہ ہے کہ شریعت میں سامان کے عیوب اور خامیوں کو چھپانا بہت ہی ناپسندیدہ بات ہے، ایک بار آپ ﷺ کا دانے کے ایک ڈھیر پر گذر ہوا، آپ ﷺ نے اندر ہاتھ ڈالا، اس میں تراوٹ محسوس کی، فرمایا: یہ کیا ہے؟ تاجر نے عرض کیا کہ بارش میں بھیگ گیا ہے، ارشاد ہوا کہ پھر اس بھیگے ہوئے دانے کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ سکیں، پھر فرمایا: جو دھوکا دے ہم میں سے نہیں۔

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا. (ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب في كراهية الغش في البيوع ۱/۲٤٥)

حضرت جریرؓ جب مسلمان ہوئے اور جانے لگے تو کپڑا پکڑ کر کھینچا اور فرمایا کہ ہر مسلمان کے لئے بھلا سوچنا! ''**اَلنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ**'' چنانچہ حضرت جریرؓ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی سامان فروخت کرتے، تو عیب زدہ حصہ سامنے رکھ دیتے اور اختیار دیتے کہ چاہے تو لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ (احیاء علوم الدین ۲۹۵/۳، کتاب الکسب والمعاش، دارالمنہاج)

حضرت واثلہ بن اسقع کے متعلق مروی ہے کہ ایک شخص نے تین سو دینار میں اونٹنی فروخت کی پھر ابھی وہ شخص نکلا ہی تھا کہ آپؓ نے چیخ کر آواز دی اور دریافت فرمایا کہ اونٹنی کس چیز کے لئے لئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: سواری کے لئے، حضرت واثلہؓ نے فرمایا کہ اس کے کھر میں سوراخ ہے اور وہ تیز نہیں چل سکتی، اس شخص نے اونٹنی واپس کردی اور بیچنے والے نے سو درہم کمی کردی، تاجر واثلہؓ سے کہنے لگا کہ آپ نے میرے معاملہ کو خراب کردیا۔ حضرت واثلہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی سامان کو بیچنا جائز نہیں جب تک کہ اس کی خامی کا اظہار نہ کردیا جائے اور جو کوئی

اس خامی سے واقف ہو، اس پر بھی اس خامی کا اظہار واجب ہے۔ (احیاء علوم الدین ۲۹۶/۳، مسند احمد ابن حنبل ۴۹۱/۳، دارالفکر بیروت)

یہاں تک کہ اگر کوئی شخص عیب چھپالے اور خریدار کو اندھیرے میں رکھے، بعد کو چل کر خریدار اس سے واقف ہو تو خریدار کو اس معاملہ کے باقی رکھنے یا ختم کردینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''خیار عیب'' کہا جاتا ہے۔

جھوٹ اور دھوکہ

اسی سے قریب تر دوسرا حکم یہ ہے کہ خرید وفروخت کے کسی معاملہ میں دھوکہ دہی سے کام نہ لیا جائے اور اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے جھوٹ نہ بولے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو جھوٹ بول کر اپنا سامان فروخت کرے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نگاہ رحمت نہیں فرمائیں گے۔ (ترمذی شریف، کتاب البیوع، باب ماجاء فی من حلف علی سلعۃ کاذباً ۲۳۰/۱)

خرید وفروخت کی مختلف صورتیں ہیں جن کو آپ ﷺ نے اسی وجہ سے منع فرمایا: مثلاً آپ ﷺ نے ''تلقی جلب'' سے منع فرمایا۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، کتاب البیوع، باب تحریم تلقی الجلب ۴/۲)

''تلقی جلب'' یہ ہے کہ قافلۂ تجارت کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے سامان کم دام میں خرید کرلیا جائے اور اسے بازار کی قیمت کے بارے میں غلط باور کرایا جائے، ظاہر ہے یہ اصحابِ مال کے ساتھ دھوکہ ہے، اسی قسم کے ایک معاملہ کو آپ ﷺ نے ''نجش'' یا ''تناجش'' سے تعبیر کیا۔ یعنی خریدنے کا ارادہ تو نہ ہو؛ لیکن دوسرے گاہکوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے ایک شخص خواہ مخواہ قیمت بڑھا کر بولے کہ یہ خریداروں کیساتھ دھوکہ دہی ہے۔ (ہدایہ، کتاب البیوع، فصل فیما یکرہ ۶۶/۳، مکتبہ تھانوی دیوبند)

جانور کے دودھ نہ دوہے جائیں کہ خریدار دھوکہ کھا جائے، اس کو بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا کیوں کہ یہ بھی صریح دھوکہ دہی ہے۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، کتاب البیوع، باب تحریم التصریہ حکم بیع المصراۃ ۴/۲)

دھوکہ کی وجہ سے خرید وفروخت کی ممانعت کی بہت سی صورتیں ہیں، جو حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، اکثر اوقات اس سے شریعت نے صرف حکم اخروی یعنی آخرت کے ثواب وعذاب کو متعلق کیا ہے؛ لیکن بعض اوقات اس سے احکام دنیا بھی متعلق ہیں مثلاً کسی شخص نے ایک سامان خرید کیا اور دوسرے کو یہ کہہ کر فروخت کیا کہ میں اپنی قیمت خرید ہی پر تم سے بیچ رہا ہوں؛ لیکن قیمت خرید کے بتانے میں دروغ گوئی سے کام لیا اور زیادہ بتادی یا کہا کہ قیمت خرید پر اتنا نفع لیتا ہوں؛ حالانکہ اصلاً اس نے زیادہ پیسے لئے تھے، تو ان دونوں صورتوں میں جن کو فقہاء کی اصطلاح ''تولیہ'' اور ''مرابحہ'' کہا جاتا ہے، خریدار کو اس معاملہ کے ختم کردینے یا اس سے زیادہ رقم کے واپس لینے کا حق حاصل ہوگا۔ (ہدایہ ۳/۲۷، مکتبہ تھانوی دیوبند)

دھوکہ دینے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال قتيبة يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تناجشوا. (ترمذي شريف ١/٢٤٤)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور قتیبہ نے اپنی روایت میں کہا کہ ابو ہریرہؓ پہونچاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا نجش (دھوکہ) نہ دیا کرو۔

ف: اہل علم کا اتفاق ہے کہ نجش دھوکہ دینا حرام ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة من طعام فادخل يده فيها فنالت أصابعه بللا فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا قال أصابته السماء يارسول الله! فقال افلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس، ثم قال من غش فليس منا. (ترمذي شريف ١/٢٤٥)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلہ کے ڈھیر کے پاس سے گذرے اور اس میں آپ ﷺ نے ہاتھ ڈالا، تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی، پھر آپ ﷺ نے اس غلہ بیچنے والے سے پوچھا: اے غلہ بیچنے والے یہ تری کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ بارش ہوگئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر اس تر والے کو تو نے اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ اسے خریدار لوگ دیکھ لیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو خیانت اور دغابازی کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ دغا کرنا (یعنی فروختگی کے وقت مبیع کا عیب چھپانا) حرام ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی عیب دار چیز کو اس طرح بیچے کہ اس (کے عیب) سے خریدار کو مطلع نہ کرے، تو وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ (ابن ماجہ: ۱۶۲، مشکوۃ ۱/۲۴۹)

اسباب نزاع کا سدباب

اسی طرح خرید وفروخت یا ایسی تمام صورتیں جو مستقبل میں جھگڑے اور نزاع کا سبب بن سکتی ہوں، شریعت نے اس کو روک دیا ہے، اسی وجہ سے ایسی چیز جو آدمی کے قابو

میں نہ ہو، قبضہ میں نہ ہو یا معاملہ کے وقت موجود نہ ہو اس کو بیچنے سے منع فرمادیا۔(ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع مالا لیس عندہ ۱/۲۳۳)

کیوں کہ یہ چیز مستقبل میں فریقین کے درمیان اختلاف اور نزاع کا باعث بن سکتی تھی، اسی طرح ضروری ہے کہ سامان اور قیمت اچھی طرح متعین ہو جائے۔ (مسلم شریف، کتاب البیوع، باب تحریم بیع صبرۃ المجہولۃ القدر بتمر ۲/۶)

اگر سامان ادھار ہو تب تو ضروری ہے کہ اس سامان کی جنس، اس کے اوصاف، مقام ادائیگی اور مدت وغیرہ تمام متعلقات پوری طرح متعین اور مشخص کر دیئے جائیں۔ (مسلم شریف ۲/۳۱، باب السلم، ہدایہ ۳/۹۲، کتاب البیوع، باب السلم)

اسی طرح سامان فروخت سے غیر متعین اور مبہم استثناء کی اجازت نہیں دی گئی۔ (البحر الرائق، کتاب البیوع ۶/۱۴۴ از کریا)

اگر مختلف قسم کے سکوں کا یکساں رواج ہے تو قیمت میں سکوں کی نوعیت کا متعین کرنا ضروری سمجھا گیا۔(ہدایہ ۳/۲۱)

معاملۂ خرید وفرخت اس وقت تک قطعی اور مکمل نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ خریدار اس کو دیکھ نہ لے، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں ''خیار رؤیت'' کہتے ہیں، معاملہ کے نفع ونقصان کو اچھی طرح پرکھ لینے کے لئے تین دنوں کی خصوصی مہلت دی گئی، جو فریقین میں سے ہر ایک دوسرے سے حاصل کر سکتا ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''خیار شرط'' کہتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے احکام ہیں جو ممکنہ اختلاف اور نزاع کو روکنے کے لئے پیش بندی اور ابتدائی احتیاط کا درجہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح ایسی باتیں جو باہم منافست اور رقابت پیدا کرتی ہوں، ان کو بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا اس سلسلہ میں حدیث میں دو باتوں کی خصوصیت کے ساتھ ممانعت آئی ہے۔

"سَوْمٌ عَلىٰ سَوْمِ أَخِيْهِ" اور "بَيْعٌ عَلىٰ بَيْعِ أَخِيْهِ" "سَوْمٌ عَلىٰ سَوْمِ أَخِيْهِ" یہ ہے کہ ایک شخص کسی قیمت پر خریداری کا معاملہ کر رہا ہو کہ دوسرا شخص آپہنچے اور اس سے زیادہ قیمت خرید کی پیشکش کرے، "بَيْعٌ عَلىٰ بَيْعِ أَخِيْهِ" یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز بیچ رہا ہو کہ دوسرا شخص اس سے کم قیمت میں وہی سامان دینے کی پیش کش کرے، آنحضور ﷺ نے ان دونوں باتوں سے منع فرمایا کہ اس سے باہم منافست، جذبۂ رقابت اور تکدر پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ (بخاری شریف، کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیہ ۱/۲۸۷، مکتبہ تھانوی دیوبند)

البتہ یہ ممانعت اسی وقت ہے؛ جبکہ سامان کے خریدنے یا بیچنے کی طرف اس دوسرے شخص کا میلان ہو چکا ہو۔ (عمدۃ القاری ۱۱/۲۵۷ بیروت)

نیز اس حکم میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں مساوی ہیں۔ (عمدۃ القاری ۱۱/۲۵۸)

ہاں! اس سے ڈاک والی صورت مستثنیٰ ہے، جس میں ایک شخص زیادہ سے زیادہ قیمت کے حصول کے لئے بولی لگاتا ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح خرید وفروخت ثابت ہے۔ (ترمذی شریف، کتاب البیوع، باب ماجاء فی من یزید ۱/۲۳۱)

باہمی رضامندی اور انصاف کی رعایت

تجارت کے معاملہ میں بلکہ تمام ہی معاملات اور معاہدات میں شریعت کا عمومی مزاج یہ ہے کہ فریقین کی مکمل رضامندی کے بغیر معاملہ طے نہ ہو اور اس کو ایسی آزادی حاصل ہو جو دوسروں کے لئے نقصان اور ضرر کا باعث نہ ہو؛ اسی لئے ایسی تمام صورتیں جس میں صاحب معاملہ کی رضامندی کے بغیر کوئی معاملہ اس پر تھوپا جائے، شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ اور ممنوع ہے، اسلام سے پہلے خرید وفروخت کی متعدد صورتیں رائج تھیں،

جن میں مکمل رضامندی کے بغیر آدمی پر کوئی سودا لازم ہو جاتا تھا، جس کو ''ملامسہ'' اور ''منابذہ'' کہا کرتے تھے، اسلام نے ایسی تمام صورتوں کو منع کر دیا اور قیمت کے معاملہ میں بھی اسلام کا عمومی مزاج یہی ہے کہ حکومت دخل نہیں دے اور طبعی رفتار اور افتاد کے مطابق قیمتوں میں کمی وبیشی ہو، ایک بار بعض لوگوں نے خصوصیت سے خواہش کی کہ قیمتیں متعین کر دی جائیں، آپ ﷺ نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا کہ قیمتوں میں گرانی اور ارزانی کرنے والا اللہ ہے۔ (ترمذی عن انسؓ، باب ما جاء فی المخابرہ والمعاومۃ ۱/۲۴۵، ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من کرہ ان یسعر ص:۱۵۹)

لیکن بعض دفعہ لوگ اخلاقی ہدایات کا اثر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے ہیں اور ان کے لئے قانون کی تلوار استعمال کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر فقہاء نے گراں فروشی کے بہت بڑھ جانے کی صورت میں تعیین قیمت کا حکومت کو حق دیا ہے کہ حکومت اصحاب رائے کے مشورہ سے تاجروں کو متعینہ قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ (الاشباہ والنظائر للسیوطی ص:۱۸۷)

غبن فاحش

گو شریعت نے نفع کے لئے کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی ہے؛ لیکن اتنا نفع لینا جو ''غبن فاحش'' کے درجہ میں آجائے، مکروہ ہے ''غبن فاحش'' سے مراد یہ ہے کہ مختلف واقف کار لوگ ایک سامان کی جو قیمت لگاتے ہوں، قیمت ان سب سے بڑھ جائے، اتنا کثیر نفع لینا مزاج شریعت کے خلاف ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خوب لکھا ہے کہ تاجرانہ نفع کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ محتاج کی ضرورت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے خوب گراں بیچا جائے، دوسرے یہ کہ معمولی نفع لیا جائے اور جلد جلد اس کو استعمال

میں لایا جائے، نفع کی یہ دوسری شکل تمدنی تقاضوں کے مطابق بھی ہے اور برکت کا باعث بھی۔(حجۃ اللہ البالغہ۲/۱۷۲، کتاب البیوع المنہی عنہا)

دوسرے فریق کی رعایت

تمام معاملات کی طرح اسلام کا تصور یہ ہے کہ خرید وفروخت اور تجارت کے معاملہ میں بھی ایثار، نرمی، دوسروں کو ترجیح، دیانت وایمانداری، صدق وراستی، وعدہ کی پابندی اور ایفاء عہد کی ڈگر پر انسان قائم رہے۔

سوید بن قیسؓ سے مروی ہے کہ میں اور ایک صاحب کپڑا فروخت کر رہے تھے، آپ ﷺ تشریف لائے، پاجامہ خرید کیا، میرے پاس ایک شخص تھا، جو قیمت تولنے اور وزن کرنے پر مامور تھا، آپ ﷺ نے قیمت ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ جھکا کر تولو ''زن وارجح'' (ابوداؤد شریف، کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن:۴۷۴)

یعنی وزن میں کچھ زیادہ تو ہو، کمی نہ ہو، ناپ تول کے پیمانے والوں سے فرمایا کہ تم لوگ دو ایسی چیز کے ذمہ دار بنائے گئے ہو، جس میں اس سے پہلے کی امتیں ہلاک ہوچکی ہیں۔(ترمذی شریف، کتاب البیوع، باب ماجاء فی المکیال والمیزان ۱/۲۳۰)

کسی کے یہاں قیمت باقی ہو اور اسے مہلت دی جائے یا معاف کر دیا جائے تو ارشاد خداوندی ہے کہ قیامت کے دن اسے عرش باری کا سایہ حاصل ہوگا۔ (ترمذی شریف، کتاب البیوع، باب ماجاء فی انذار المعسر والرفق بہ ۱/۲۴۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص کے پاس کوئی نیکی نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ دولت مند تھا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کرتا تھا کہ تنگدست لوگوں سے درگذر کا معاملہ کرو، اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ ہم معاف کرنے کے زیادہ لائق ہیں؛ اس لئے اسے معاف کردو۔(مسلم شریف، کتاب المساقات، باب فضل انظار المعسر ۲/۱۸)

معصیت میں معاون تجارت سے بچیں

اسی طرح جو خرید وفروخت معصیت میں تعاون کا ذریعہ ہو، ان کے ذریعہ گناہ کے کاموں کو فروغ ہوتا ہو، یا شریعت جن چیزوں کو حرام وممنوع اور نا قابل استعمال قرار دے کرنا قابل احترام ٹھہراتی ہو، ان کے ذریعہ ان کی تعظیم وتوقیر ہوتی ہو، ایسی تمام صورتوں کو بھی شریعت نے منع کیا ہے کہ اسلام سے وفاداری اور ایمان پر استواری کا یہی تقاضا ہے۔

چنانچہ سور کی خرید وفروخت کو منع کیا گیا ہے، خون اور مردار کی بیع کو نادرست قرار دیا گیا ہے، شراب نوشی کی اجازت نہیں دی گئی، تصاویر اور ذی روح کے مجسمے جو ہر زمانہ میں شرک کا اولین سبب رہے، کی خرید وفروخت کو جائز نہیں رکھا گیا؛ اس لئے کہ مجسموں کی خرید وفروخت شرک میں اعانت ہے، شراب فروشی سے شراب نوشی کو تقویت حاصل ہوگی، سور، خون اور مردار کی خرید وفروخت اس کی عظمت وحرمت کا اعتراف ہے جو دین وشریعت کے خلاف ہے، فتنہ کے زمانہ میں اہل فتنہ سے اسلحہ کی فروخت اور اغلام بازی کے عادی شخص سے غلام کی خرید وفروخت کو بھی اس قاعدہ کے تحت فقہاء نے منع کیا ہے، غور کیا جائے تو وہ معاملات جن کو فقہاء نے ''بیع باطل'' کے زمرہ میں رکھا ہے وہ اکثر اسی اصول کی بناپر ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔

بعض بنیادی اصول

تجارت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے جس چیز کو فروخت کیا جارہا ہو وہ موجود ہو، معدوم شئ بیچنا درست نہیں، مثلاً کوئی شخص یوں کہے: میری گائے کو جو بچہ ہوگا، اسے میں

نے فروخت کیا، تو یہ درست نہیں ہوگا، نیز وہ شئ بیچنے والے کی ملکیت میں بھی ہو، بیچتے وقت جو چیز اس کی ملکیت اور قبضہ میں نہ ہو اس کو بیچنا درست نہیں، اس سے صرف دوصورتیں مستثنیٰ ہیں، سلم اور استصناع، سلم یہ ہے کہ قیمت نقد ادا کردی جائے اور سامان جو ابھی بیچنے والے کے پاس موجود نہ ہو؛ لیکن بازار میں دستیاب ہو، ایک مدت کے بعد حاصل کیا جائے، ''استصناع'' یہ ہے کہ کاریگر کو پیشگی قیمت ادا کر کے مصنوعات کا آرڈر دیا جائے؛ حالانکہ مصنوعات پہلے سے موجودہ نہ ہوں۔ (البحر الرائق ۲۸۳/۶ زکریا، ہدایہ ۱۰۰/۳، مکتبہ تھانوی)

خرید وفروخت کے صحیح ہونے کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ جو چیز بیچی جارہی ہے، وہ مال متقوم ہو یعنی مال بھی ہو اور شریعت اس کو قابل قیمت بھی قرار دیتی ہو۔

کونه مالا موجودا متقومًا. (رد المحتار ۱۵/۷، مکتبہ زکریا دیوبند)

متقوم اور قابل قیمت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ شرعًا اس سے فائدہ اٹھانا مباح ہو۔

المال المباح الانتفاع به شرعًا. (رد المحتار ٦/ ٢٣٥، زکریا)

اس بنیاد پر ایسی چیزیں جو حرام ہوں اور شرعًا ان سے فائدہ اٹھانا مباح نہ ہو، ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی، حدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے شراب کی خرید وفروخت کو منع فرمایا۔ (ترمذی شریف، کتاب البیوع، باب ماجاء فی النہی للمسلم ان یدفع الی الذمی الخمر ۲۳۹/۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے شکاری کتے کے علاوہ دوسرے کتوں کی قیمت سے کو منع فرمایا...... مردار کے چمڑوں اور بتوں کے فروخت کرنے کو منع فرمایا، فتح مکہ کے موقعہ سے ارشاد ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید

وفروخت کوحرام قرار دیا ہے۔(ترمذی،عن جابر باب ماجاء فی بیع جلود المیتۃ والاصنام ۱/۲۴۲، وبخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والاصنام ۱/۲۹۸، رقم:۲۱۸۴)

انہی روایات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن اشیاء کوشریعت ناپاک اورنجس قرار دیتی ہے، ان کی خرید وفروخت جائز نہ ہوگی، اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نر جانور کے مادہ کے ساتھ جفتی کی اجرت لینے کو ناجائز قرار دیا۔ (ترمذی عن ابن عمر کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراہیۃ عسب الفحل ۱/۲۴۰)

اسی لئے فقہاء انسانی فضلہ کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ہاں! اگر اس کے ساتھ مٹی مل گئی اور فضلہ مغلوب ہوگیا، تو اب اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی۔ (درمختار علی ہامش الرد ۷/۲۴۵ زکریا)

گداگری کا سدِّ باب

اسلام گداگری اور بھیک منگی کا سخت مخالف ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص اپنی پشت پر لکڑی کا گٹھا اٹھائے، اس بات سے بہتر ہے کہ دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرے اور وہ چاہے تو اسے دے یا نہ دے۔ (بخای عن ابی ہریرۃؓ، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ۱/۲۷۸)

اس لئے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی المنھی عن المسئلۃ ۱/۱۴۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ سوال ایک زخم ہے جس سے انسان اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے، سوائے اس کے کہ امیر اور بیت المال سے مانگا جائے یا بحالت مجبوری سوال کیا جائے۔ (ترمذی، باب مذکور ۱/۱۴۷)

ایک صحابی خدمت اقدس میں آئے جو مانگ کر اپنی ضرورت پوری کیا کرتے تھے، ان کے پاس صرف پیالہ اور ٹاٹ تھا، آپ ﷺ نے دونوں سامان منگایا، ڈاک (بولی) لگائی اور دو درہم میں اس کو فروخت کیا ایک درہم اس کی ضروریات کے لئے دیا اور ایک درہم میں کلہاڑی بنادی تا کہ لکڑی کاٹ سکے اور بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر سکے۔ (ترمذی نے مختصراسی روایت کو نقل کیا ہے، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع من یزید ۲۳۰/۱)

اسی لئے فقہائے اسلام بیت المال میں ایسے مجبور اور مفلوک لوگوں کا حق رکھا ہے تا کہ مسلمانوں کے سماج کو اس لعنت سے محفوظ رکھا جا سکے اور خود حضور ﷺ نے بھی ایسے سائلین اور فقراء کے لئے مستقل حق رکھا۔ (ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی حق السائل ۱۴۴/۱) کہ ایسے ضرورت مندوں کو بار بار ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

نیز نفقہ اور کفالت کا ایک ایسا جامع قانون بنایا کہ سماج کا کوئی بوڑھا اور بچہ، عورت اور اپاہج نیز بے روزگار بالکل بے سہارا نہ ہو جائے۔ (ماخوذ: حلال وحرام ص:۳۳۷ تا ۳۵۴، مصنفہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ)

اجارہ ومزدوری

حلال کمائی حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ مزدوری اور ملازمت ہے، اس معاملہ کو فقہ کی اصطلاح میں اجارہ اور کام کرنے والے کو اجیر کہتے ہیں، مزدور کا مسئلہ چونکہ اہم ترین مسائل میں سے ہے؛ اس لئے اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مزدوروں کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے، جس کو گذشتہ نصف صدی کے اہم ترین مسائل میں شمار کیا جا سکتا ہے، اور یہ فطری بات ہے، دنیا کی ساری بہار دراصل انہی

کے دم سے ہے، بلند قامت عمارتیں ہوں، صاف ستھری سڑکیں ہوں یا دیہات کے سبزہ زار کھیت اور بل کھاتی ہوئی نہریں، سب کو انہی کے خون و پسینہ اور قوت بازو سے غذا ملتی ہے، یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ معاشی ترقی اور خوشحالی میں سب سے کم حصہ مزدوروں ہی کو ملتا ہے؛ حالانکہ وہ سب سے زیادہ اس کے حقدار تھے، یہاں اس بات کی وضاحت کر دینی مناسب ہوگی کہ جب ہم مزدور کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے صرف وہ جفاکش طبقہ ہی مراد نہیں ہوتا جو جسمانی محنتوں اور مشقتوں کے کام کرتا ہے؛ بلکہ وہ ملازمین بھی مراد ہوتے ہیں جو لکھنے پڑھنے یا دوسرے دماغی قسم کے کام کرتے ہیں۔

اسلام نے دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح اس بات میں بھی مفصل اور واضح ہدایات دی ہیں، جس میں آجر اور مزدور دونوں ہی کے حقوق کی رعایت ہے اور اعتدال و توازن بھی ہے۔

مزدوروں کی اہمیت

سب سے پہلے تو اسلام نے مزدوروں کو ایک بلند مقام اور منصب کا حامل قرار دیا اور عام طور پر جو اس طبقہ کو کمتر اور حقیر گردانا جاتا تھا، جو اب تک باقی ہے اس کی نفی کی، آپ ﷺ نے فرمایا:

حلال روزی کی تلاش میں محنت و کاوش کو عنداللہ پورے ایک سال امام عادل کے ساتھ جہاد سے افضل قرار دیا گیا۔ (ابن عساکر عن عثمانؓ)

چھوٹے بچوں، بیوی، ماں باپ اور خود اپنی کفالت کے لئے دوڑ دھوپ (سعی) کو آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جدوجہد بتایا۔ (معجم کبیر طبرانی عن کعب بن عجرۃ ۱۹/۱۲۹، رقم: ۲۸۲ بیروت)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ عمل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھوں سے

کمائے۔(معجم کبیر طبرانی ۲۶۸/۲۰، رقم:۶۳۸، الترغیب والترہیب:۵۱۰، رقم:۲۵۰۶)

اور خدا کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں ہی کی کمائی کھایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ۲۷۸/۱، رقم:۲۰۲۶، الترغیب والترہیب ۵۱۰/۲۰)

اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن بندہ کو پسند کرتا ہے جو صنعت وحرفت سے واقف ہو اور اس سے کام لیتا ہو۔ **ان اللہ یحب المؤمن المحترف.** (معجم کبیر طبرانی ۲۳۸/۱۲، رقم:۱۳۲۰۰)

آپ ﷺ نے فرمایا تمام انبیاء کرام علیہ السلام نے بکریاں چرائی ہیں اور فرمایا خود میں بھی چند قیراطوں پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری ۳۰۱/۱، رقم:۲۲۰۷، ابن ماجہ، باب الصناعات:۱۵۵)

کاشتکاری کو مبارک کہا گیا اور اس کا حکم دیا گیا۔(ابوداؤد عن علی بن حسینؓ مرسلاً ۸۲/۲، کنز العمال ۳۱/۴، رقم:۹۳۴۸)

ایک بار آپ نے حضرت حکیم بن حزامؓ سے ارشاد فرمایا کہ سب سے حلال وہ ہے، جس میں دونوں پاؤں چلیں، ہاتھ کام کریں اور پیشانی عرق آلود ہو۔ (دیلمی عن حکیم بن حزام، کنز العمال ۳۳/۴، رقم:۹۳۵۷)

ان ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں مزدوروں کو ایک معزز اور مؤقر مقام حاصل ہے اور دوسرے پیشوں اور طبقوں سے ان کی حیثیت کم نہیں ہے۔

اجرت کی مقدار

اس کے بعد مزدوروں کے حقوق کا مسئلہ آتا ہے، جس میں سب سے بنیادی اور اولین چیز اجرت کی مقدار کا تعین ہے، اس پر اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے، جس

میں حضور ﷺ نے غلاموں کے سلسلہ میں درج ذیل ہدایات دی ہیں:

وہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارے ماتحت رکھا ہے؛ لہٰذا خدا نے جس کے ماتحت اس کے بھائی کو کیا ہو اس کو چاہئے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے، جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس کے لئے دشوار ہو اور اگر ایسے کام کی ذمہ داری سونپ ہی دے، تو پھر اس کی مدد کرے۔ (بخاری ۱/۳۴۶، رقم: ۲۴۷۵، ابوداؤد: ۲۰۷۰، باب حق المملوک، ترمذی ۲/۱۶، باب ماجاء فی الاحسان الی الخادم)

پیغمبر اسلام اور ان کے اصحابؓ کا اس ہدایت پر مکمل عمل تھا، ان کے غلام اور خدام ان کے ساتھ وہی کھانا کھاتے تھے جو وہ خود کھاتے، غلاموں اور ان کے مالکوں کے کپڑے ایک ہی معیار کے ہوتے تھے، ایک بار ایک ہی قسم کی چادر حضرت ابوذر غفاریؓ اور ان کے غلام اوڑھے ہوئے تھے، ایک شخص نے عرض کیا آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وہ چادر بھی خود اوڑھ لیں تا کہ اس کا جوڑا ہو جائے اور غلام کو کوئی اور چادر دے دیں، حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس سے انکار کرتے ہوئے حضور ﷺ کی اسی ہدایت کا حوالہ دیا کہ جو خود پہنو وہی اس کو پہناؤ۔ (بخاری عن معرورؓ ۲/۸۹۳-۸۹۴، رقم: ۵۸۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مزدوروں اور ملازمین کی اجرت اس قدر ہونی چاہئے کہ کم از کم خوراک اور پوشاک کے معاملے میں اس کا معیار زندگی مالکین اور افسروں کے مساوی اور یکساں ہو۔

دوسرے اجرت کی مقدار اتنی ہو کہ وہ اہل وعیال کی بھی اسی سطح پر پرورش کر سکے، حسب ضرورت خادم رکھ سکے اور مکان بنا سکے، آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہمارا عامل (ملازم) بنے اسے چاہئے کہ بیوی حاصل کر لے، خادم نہ ہو تو ایک خادم رکھ لے اور مکان نہ ہو تو ایک مکان فراہم کر لے۔ (مسند احمد ۴/۲۲۹)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد فرمایا میرا ذریعہ معاش میرے اہل وعیال کے لئے کافی تھا، اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول کردیا گیا ہوں؛ اس لئے ابوبکر کے عیال اسی سرکاری مال میں سے کھائیں گے اور ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے لئے کام کریں گے۔ (بخاری عن عائشہ ۱/۲۷۸، رقم: ۲۰۲۳)

اجرت کی ادائیگی

اجرت کے سلسلے میں اس اصولی ہدایت کے بعد کہ ان کی جملہ ضروریات زندگی کی تکمیل کی جائے، اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اجرت کی مقدار پہلے ہی واضح کردی جائے اور مبہم نہ رکھا جائے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى استئجار الأجير حتى يبين له أجره. (مسند أحمد ۳/۷۱، دارالفكر بيروت)

رسول اللہ ﷺ نے کسی مزدور سے کام لینے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس کی اجرت واضح نہ کردی جائے۔

کاموں کی مقدار

مزدور سے کتنا کام لیا جائے؟ اسلام نے اس کی بھی وضاحت کردی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: غلاموں سے کوئی ایسا کام نہ لو جوان کی طاقت اور قدرت سے ماوراء ہو۔
(مؤطا امام مالک عن یحی بن یحیٰؒ: ۳۸۵، مکتبہ ملت دیوبند)

یہ ایک اصول ہے جس کی روشنی میں کام کی نوعیت، مقدار، اوقات تینوں ہی کا تعین کیا جاسکتا ہے، مثلاً اصول صحت کی رو سے جن کاموں کو روزانہ چھ گھنٹے کیا جاسکتا ہے، ان ملازمین کے لئے وہی اوقات کار ہوں گے اور جو کام آٹھ گھنٹے کئے جاسکتے ہیں

ان کے لئے روزانہ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوگی۔

عموماً بعض لوگ کم عمر بچوں یا دراز عمر بوڑھوں سے اتنا ہی کام لینا چاہتے ہیں جتنا جوان اور توانا آدمیوں سے، اسلامی تعلیم کے تحت یہ غلط اور ظالمانہ حرکت ہے، جس پر قانون کے ذریعہ پابندی بھی عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح جو مستقل ملازمین ہیں، ضروری ہے کہ ان کے لئے ہفتہ میں ایک دن آرام کے لئے رکھا جائے، اپنے اقرباء اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے تعطیل لازمی ہو اور بیماروں کے لئے خصوصی رعایت اور رخصت ہو، فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حسن سلوک

مزدوروں کے ساتھ مالکین اور ذمہ داروں کا کیا سلوک ہونا چاہئے؟

اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں "**اِنَّهُمْ أَخْوَانُكُمْ**"

(ردالمحتار ۳/ ۲۸۰، ابوداؤد: ۷۰۲)

یعنی ان سے سلوک حاکمانہ نہیں؛ بلکہ برادرانہ ہونا چاہئے، قرآن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بحیثیت آجر یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں:

وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. [القصص: ۲۷]

میں تم کو تکلیف دینا نہیں چاہتا، انشاءاللہ تم مجھے صالح و نیک پاؤ گے۔

گویا آجر کا سلوک مزدور کے ساتھ ایسا ہو کہ اس کو تکلیف اور کسی بھی طرح کی ذہنی، جسمانی یا عملی مشقت نہ دے اور اس کے ساتھ نیک سلوک روا رکھے۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمیں اس کا عملی نمونہ یوں ملتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خاص خدام میں تھے اور بچپن سے جوانی تک آپ ﷺ کے ساتھ رہے،

مگر کبھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے اونھ بھی کہا ہو یا پوچھا ہو یہ کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟ (بخاری ۸۹۲/۲، رقم:۸۵۰۳، وشمائل ترمذی عن انسؓ، باب فی خلق رسول اللہ ﷺ :۳۲)

آپ ﷺ کے خادموں میں ایک یہودی لڑکا تھا، وہ بیمار پڑا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ (بخاری:۱۸۱، رقم:۱۳۴۰)

اسی حسن سلوک کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مشکل کام اس کو سونپا جائے تو اس کی انجام دہی میں بذات خود بھی مدد کرے۔ (ترمذی شریف ۱۶/۲)

مزدور کی اجرت دینے میں تاخیر نہ کرو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔ ''یعنی جب مزدور اپنا کام پورا کر چکے تو اس کی مزدوری فوراً دیدو، اس میں تاخیر نہ کرو'' (مشکوۃ شریف ۲۵۸/۱)

آج کل عام طور پر مزدوروں اور کاریگروں کی حق ماری کی جاتی ہے، ان کی محنت کا پورا پوار بدلہ نہیں دیا جاتا، مالکان اپنے مزدوروں کو چوپایوں کی طرح استعمال کرتے ہیں، نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی سے پیش آتے ہیں، اس معاشی ظلم کو دور کرنے کے لئے رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام اسلامی میں مکمل طور پر اس کا انتظام کیا کہ محنت کاروں کو ان کی محنت کا پورا پورا حق ملنا چاہئے؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا:

ایک وہ شخص ہے: جس نے میرے نام اور قسم کے ذریعہ کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا۔

دوسرا وہ شخص ہے: جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھالی۔

تیسرا وہ شخص ہے: جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا، وہ پورا پورا کام اس سے کرالیا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔ (بخاری شریف ۱/۲۹۷، رقم: ۲۱۷۶، مشکوۃ شریف ۱/۲۵۸)

مذکورہ حدیث شریف میں ایسے تین اشخاص کی نشاندہی کی گئی ہے، جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے، ان میں سے پہلا وہ شخص ہے: جو اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھا کر کوئی عہد و پیمان کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے، یوں تو عہد و معاہدہ کی پاسداری بہرصورت ایک ضروری چیز ہے، اور انسان کی شرافت وانسانیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ جو عہد کرے اسے پورا کرے، کسی معاہدہ کو بلاوجہ ختم کردینا انسانی شرف کے بالکل خلاف ہے اور انسانیت کی توہین ہے؛ لیکن اگر کوئی عہد و پیمان اللہ کے نام پر کیا جاتا ہے، تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہوجاتی ہے، ایسے عہد کو توڑنے والا بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہوگا۔

دوسرا وہ شخص ہے: جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے، شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک انسان دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنادے اور اس کی خرید وفروخت کرے، ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

تیسرا وہ شخص ہے: جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے یہ ایک انتہائی قابل نفرت فعل

ہے، کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے، جسے حاصل کرکے اس کی اجرت نہ دینا شیوہ انسانیت کے خلاف ہے، یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کرکے کسی کے یہاں محنت کرے، مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دیجائے؛ چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

ایک جامع نصیحت

کاریگروں اور کارندوں کے بارے میں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت جامع اور معنی خیز نصیحت میں فرمایا: تم میں سے اگر کسی کا کھانا اس کا خادم تیار کرے تو اسے چاہئے کہ اس خادم کا ہاتھ پکڑ کر (دسترخوان پر) بٹھالے اگر وہ (شریک ہونے میں شرم محسوس کرے) اور انکار کرے (یا وہ مالک کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے ساتھ اس خادم کو شریک نہ کرسکے) تو اس کھانے میں سے کچھ اس کو ضرور دیدے؛ کیونکہ اس خادم نے اس کھانے کی تیاری میں دھواں وآگ کی گرمی کی تکلیف برداشت کی ہے۔ (ترمذی شریف ۲/۷)

اس ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی قانون کے شارحین نے یہ اصول نکالا ہے کہ جو کارندہ اور کاریگر زندگی کی کسی ضرورت کی چیز کو تیار کرتا ہے، تو اس ضرورت میں اس کارندے کو ہر طرح کی سہولت اور رعایت ملنی چاہئے یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ ایک مزدور لاکھوں انسانوں کے لئے کپڑا بنتا رہے اور خود اس کی بیوی بچوں کے لئے تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہ ہو۔

مزدوروں کی ذمہ داریاں

جہاں مزدوروں اور ملازمین کے یہ حقوق ہیں وہیں ان کی ذمہ داریاں اور فرائض بھی ہیں، جن کی طرف قرآن مجید نے دو مختصر لفظوں میں اشارہ کردیا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس بنیاد پر اپنا ملازم متعین کیا وہ ان کی صاحب زادی کی یہ اطلاع تھی کہ:

قَالَتْ اِحْدَاهُمَا يَا اَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ. [القصص:۲٦]

ابا جان! ان کو مزدور رکھ لیجئے، بہترین مزدور جسے آپ رکھیں گے وہ ہوگا جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

یہاں اچھے مزدور کی دو صفات بیان کی گئی ہیں، ایک قوت وصلاحیت اور دوسرے امانت و دیانت، اس سے معلوم ہوا کہ اہلیت کے بغیر کسی کام کی ذمہ داری نہ لے؛ اس لئے فقہاء نے فاتر العقل طبیب ''الطبیب الجاہل'' کو علاج سے روک دینے کا حکم دیا ہے۔ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم:۲۵٦، زکریا)

دوسرے یہ ہے کہ وہ اپنے کام، ذمہ داریوں اور سونپی گئی اشیاء کے معاملہ میں امانت دار اور دیانت دار ہو، اگر مفوضہ کام میں وہ قصداً کوئی نقص رہنے دے یا متعینہ وقت کا اپنی ذمہ داریوں کے لئے پورا پورا استعمال نہ کرے تو یہ بات دیانت کے خلاف ہوگی؛ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ:

عدل کے ساتھ وزن کرو میں یہ بھی داخل ہے کہ ملازمین اپنے اوقات ملازمت

کا پورا پورا خیال رکھیں۔ (معارف القرآن مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۴۸۰/۵، سورۂ بنی اسرائیل آیت:۳۵)

بندھوا مزدور

بندھوا مزدور کی ظالمانہ رسم باوجود اس تمدنی ارتقاء اور علم وروشن خیالی کے اب بھی بعض علاقوں میں موجود ہے، مگر اسلام میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، اسلام اس کو انسان کا خالص نجی مسئلہ تصور کرتا ہے کہ وہ کسی کا کام کرے یا نہ کرے، نہ صرف ایک فرد دوسرے فرد کو بلکہ حکومت بھی کسی فرد اور شہری کو اس پر مجبور نہیں کرسکتی سوائے اس کے کہ کبھی اسے خصوصی حالات پیدا ہوجائیں کہ قومی اور اجتماعی مصلحت کے تحت افراد کو کسی عمل پر مجبور کرنا پڑے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے نکاح، خرید وفروخت وغیرہ دوسرے معاملات کی طرح اس میں بھی طرفین کی رضامندی اور آمادگی کو ضروری قرار دیا ہے۔

وأما ركنها فالايجاب والقبول. (الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة ۳/٤۰٥)

اسی طرح اسلام میں ہر شخص کو نقل وحرکت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آمد ورفت کی آزادی حاصل ہے اور یہ اس کا خالصۃً ذاتی اور شخصی مسئلہ ہے، وہ جہاں اور جس شہر و علاقہ میں جاکر مزدوری اور ملازمت کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَسَعَةً .

[النساء: ١١٠]

(ماخوذ: حلال وحرام ص: ۳۹۰ تا ۳۹۶، مصنفہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ)

مال ودولت کے بارے میں اسلامی تعلیمات

مال و دولت کے بارے میں اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ یہ خداوند عالم کی دین ہے، اوراس عطاودین میں مالدار کی ذات کے علاوہ مخلوق کے ہرضرورت منداور ہرمحتاج فرد کا حق شامل ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (اورہم نے جوان کوعطا کیا ہےاس میں سے خرچ کرتے ہیں) اس لئے قرآن غریبوں کی امداد کو مالداروں کی احسان وکرم نوازی قرار نہیں دیتا؛ بلکہ مالدار کی طرف سے ادائے حق قرار دیتا ہے۔

دولت مندوں کی دولت میں غریب عوام کے دوحق ہیں

دولت مندوں کے سرمایہ میں ضرورت مندعوام کا جوحصہ شامل ہے قرآن اسے لفظ حق سے تعبیر کرتا ہے، اور پھر کہتا ہے کہ یہ حق دوطرح کا ہے، ایک مقررہ حق جوسال میں ایک دفعہ ادا کیا جاتا ہے جسے زکوۃ کہتے ہیں، اوردوسرا غیر معینہ حق جسے صدقہ کہا جاتا ہے، ۔جو اجتماعی ضرورت کے مطابق دولت مندوں پرواجب ہوتا ہے، سورہ ذاریات میں ہے:

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ. (سورة الذاريات: ١٩)

اورمسلمانوں کے مالوں میں سائل اورمحروم کا حق ہے۔

یہ غیرمعین حق ہے جوزکوۃ کے علاوہ ہے اور یہ حسب ضرورت واجب ہوتا ہے، سورہ معارج میں ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ. [معارج ٢٤-٢٥]

اوران کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل اور محروم کے لئے۔

یہ مقررہ حق زکوۃ ہے جس کی مقدار اور جس کے مصارف شریعت نے مقرر کردیئے ہیں، اس کے علاوہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع ہدایت فرمائی:

لایؤمن أحد کم حَتٰی یحب للناس ما یحب لنفسہٖ وحتٰی یحب المرألا یحبہ إلا للّٰہ عزوجل. (مسند احمد ۳/۲۷۲)

مسلمانو! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا اور کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ عام لوگوں کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک وہ انسان سے صرف خدا کے لئے محبت نہ کرے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جامع اور کامل حدیث کے بعد دوسری تفصیلی ہدایت کی طرف جانے کی ضرورت نہیں رہتی، ہر مالدار شخص فیصلہ کرے کہ وہ اپنی ذات کے لئے اچھی غذا، اچھا لباس، اچھا مکان، اچھی تعلیم، عزت وآبرو، جان ومال کی حفاظت پسند کرتا ہے، تو یہی باتیں خدا کے تمام بندوں کے لئے بھی پسند کرے اور ان باتوں میں سے جس قدر اس کی قدرت میں ہو مدد کرے، ان کا ہاتھ بٹائے، ایسا ہرگز نہ ہو کہ آپ کو اللہ نے مال ودولت سے نوازا ہے، تو آپ حرص وہوس کا پتلا بن کر اپنی تجوریاں بھرے بیٹھے رہیں اور ایک غریب مفلس آپ کی آنکھوں کے سامنے نان جویں کا محتاج، بھوک وافلاس کی تاب نہ لاکر دم توڑ دے اور آپ کے اندر اتنی بھی ہمدردی نہ ہو کہ اس غریب کو کھانا کھلاکر اس کی زندگی کے بجھتے ہوئے چراغ کو بچاسکیں، آج ہم دیکھتے ہیں مال وزر کے بندے اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لئے تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں، اپنی دنیاوی آسائش وراحت کی خاطر مال وزر کے تختے بچھا دیتے ہیں، مگر

جب ان کے پاس بھوک و پیاس سے بلکتا ہوا انسان پہونچتا ہے اور اپنی ضرورت کا اظہار کرتا ہے تو ان کی جبیں پر بل پڑ جاتے ہیں، ان کے منہ سے نفرت وحقارت کے الفاظ ابلنے لگتے ہیں، وہ شقی القلب مال و دولت کے پجاری یہ نہیں سوچتے، کہ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو ان کے جذبات واحساسات کیا ہوتے؟ لہذا ''جنگ زر گری'' کے موجودہ دور میں مسلمانوں ہی کے لئے نہیں، بلکہ پوری انسانی برادری کے لئے یہ ارشاد گرامی ایک دعوت عمل اور مینارۂ نور ہے۔

فرشتوں سے دعائیں لو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ تو (سخی کے لئے) یہ دعاء کرتا ہے، کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما (یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے یا آخرت میں اجر وثواب عطا فرما) اور دوسرا فرشتہ (بخیل کے لئے) بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ بخیل کو نقصان دے (یعنی جو شخص مال و دولت جمع کرتا ہے اسے جائز جگہ خرچ نہیں کرتا، بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے، تو اس کا مال تلف وضائع کردے) (بخاری ۱/۱۹۴، مسلم ۱/۳۲۵، مشکوۃ ۱/۱۶۴)

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہو

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہاں) اپنا مال خرچ کرو اور یہ شمار نہ کرو

کہ کتنا خرچ کیا نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں شمار کرے گا، (یعنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں سے برکت ختم کر کے تمہارا رزق کم کر دے گا، اور اسے معدود ومحدود چیز کی مانند کر دے گا، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال وزر کے بارے میں قیامت کے روز محاسبہ کرے گا) اور جو مال تمہاری حاجت وضرورت سے زائد ہو اسے حاجت مندوں سے روک کر نہ رکھو، نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں اپنی زائد عطا وبخشش روک لے گا، نیز یہ کہ تم سے جو کچھ ہو سکے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ (مشکوۃ ۱/۱۶۴)

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباسوں میں سے پہنائے گا جو مسلمان کو کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کی پیاس بجھائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے مہر بند شراب سے سیراب کرے گا۔ (مشکوۃ شریف ۱/۱۶۹)

حضرت مرثد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔ (مشکوۃ شریف ۱/۱۷۰)

ناپ تول کے بارے میں قرآنی احکامات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ یَا قَوۡمِ اعۡبُدُوۡا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ وَلَا تَنۡقُصُوۡا الۡمِکۡیَالَ وَالۡمِیۡزَانَ اِنِّیۡ اَرَاکُمۡ بِخَیۡرٍ وَاِنِّیۡ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ وَیَا قَوۡمِ اَوۡفُوۡا الۡمِکۡیَالَ وَالۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوۡا النَّاسَ اَشۡیَآءَ هُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا

فِیْ الْاَرْضِ مُفْسِدِیْن. (سورۃ ھود آیت ۸۴-۸۵)

(حضرت شعیب علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں معبود تمہارا اس کے سوا اور نہ گھٹاؤ ناپ اور تول کو، میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک گھیر لینے والے دن کے اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت مچاؤ زمین میں فساد۔

مذکورہ آیت کریمہ میں حضرت شعیب علیہ السلام نے پہلے تو اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، کیونکہ یہ لوگ مشرک تھے درختوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے اس کفر وشرک کے ساتھ ان میں ایک عیب یہ تھا کہ بیوپار اور لین دین کے وقت ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کا حق مار لیتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اس مبغوض ترین عمل سے منع فرمایا، سب سے پہلے اپنی قوم کو پیغمبرانہ شفقت کے ساتھ یہ سمجھایا کہ میں تمہیں اس وقت خوش حالی میں دیکھتا ہوں (کوئی فقر وفاقہ اور مالی تنگی نہیں ہے، اس خوشحالی اور مال ودولت میں فراوانی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تم اللہ کی مخلوق پر ناپ تول میں کمی زیادتی کر کے ظلم نہ کرو) اور پھر آگے فرمایا کہ اگر تم نے میری بات نہ سنی اور اس عمل خبیث سے باز نہ آئے تو مجھے خطرہ ہے کہ خدا کا عذاب تمہیں گھیر لے۔

اس ممانعت کے بعد پورا پورا ناپنا تولنا خود ہی ضروری ہو جاتا ہے، لیکن مزید تاکید کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کی چیزوں کو کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو، پھر بڑی شفقت کے ساتھ فرمایا: لوگوں کے حقوق ناپ تول پورا کرا کے ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے تمہارے لئے وہی بہتر ہے، تم میری بات مانو اور اگر میری بات نہ مانو گے تو یاد رکھو میں اس کا ذمہ دار نہیں کہ تم پر کوئی عذاب آجائے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خطیب الانبیاء ہیں، آپ نے اپنے حسن بیان سے اپنی قوم کو سمجھانے اور ہدایت پر لانے کی پوری کوشش کی، مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد قوم نے وہی جواب دیا جو جاہل قومیں اپنے مصلحین کو دیا کرتی ہیں، ان پر پھبتیاں کسیں اور استہزا کیا، کہنے لگے:

اَصَلٰوتُکَ تَأْمُرُکَ اَنْ نَتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ. (سورۃ ہود آیت ۸۷)

یعنی کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتلاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباء واجداد کرتے چلے آئے ہیں اور ہم اپنے مملوک اموال میں خود مختار نہ رہیں، کہ جس طرح ہمارا جی چاہے معاملہ کریں، بلکہ اپنے معاملات بھی آپ سے پوچھ پوچھ کر کیا کریں کہ کیا حلال ہے کیا حرام؟

حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز پوری قوم میں معروف تھی بکثرت نوافل اور عبادت میں لگے رہتے تھے، اس لئے ان کے ارشادات کو بطور استہزاء کے نماز کی طرف منسوب کیا کہ تمہاری یہ نماز ہی تمہیں (معاذ اللہ) ایسی غلط باتیں بتاتی ہے، ان کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی یوں سمجھتے تھے کہ دین وشریعت کا کام صرف عبادات تک محدود ہے، معاملات میں اس کا کیا دخل ہے، ہر شخص اپنے معاملات میں جس طرح چاہے تصرف کرے اس پر کوئی پابندی لگانا دین کا کام نہیں، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی بہت سے بے سمجھ ایسے خیالات رکھتے ہیں۔

قوم نے خالص ہمدردی دل سوزی اور نصیحت کا جواب اس قدر تلخ دیا، مگر حضرت شعیب علیہ السلام شان پیغمبری رکھتے تھے، یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اسی ہمدردی کے ساتھ راہ ہدایت پر لانے کی سعی پیہم کرتے رہے، لیکن جب نہیں مانے تو

اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

يَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْ اَنْ يُصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيْدٍ. (سورة هود آيت ٨٩)

یعنی تم سوچو سمجھو ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت اور عداوت تم پر کوئی ایسا عذاب لا ڈالے کہ تم سے پہلے قومِ نوح، قوم ہود یا قومِ صالح پر آچکا ہے اور لوط علیہ السلام کی قوم اور ان کا عبرت ناک عذاب تو تم سے کچھ دور بھی نہیں۔

یعنی مقامی اعتبار سے بھی قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں مدین کے قریب ہی ہیں، اور زمانہ کے اعتبار سے بھی تم سے بہت قریب زمانہ میں ان پر عذاب آیا ہے، اس سے عبرت حاصل کرو، اور اپنی ضد سے باز آجاؤ۔

ان کی قوم اس نصیحت کو سن کر اور بھی زیادہ اشتعال میں آگئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ کے خاندان کی حمایت آپ کو حاصل نہ ہوتی، تو ہم آپ کو سنگسار کر دیتے، حضرت شعیب علیہ السلام نے اس پر بھی ان کو نصیحت کی کہ تم کو میرے خاندان کا تو خوف ہوا، مگر خدا کا کچھ خوف نہ آیا جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔

بالآخر قوم نے کوئی بات نہ مانی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا، کہ اچھا تم عذاب کا انتظار کرو، پھر حق تعالیٰ نے مومنین کو بچا کر سب کو ہلاک کر دیا۔ (مستفاد معارف القرآن ۶۶۱/۴-۶۶۴)

مذکورہ آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوا ناپ تول میں کمی زیادتی کرنا اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض عمل ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب آنے کا ایک سبب ان کا ناپ تول میں کمی زیادتی کرنا بھی ہے، آج کل ہم لوگوں سے بھی اس حکم کے بارے میں کافی کوتاہی ہو رہی ہے، جس کی بناء پر امت افلاس اور گرانی اشیاء

کے عذاب میں مبتلا ہے۔

ہر حق تلفی تطفیف وتخسیر میں داخل ہے

ان تمام آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ تطفیف وتخسیر یعنی دوسروں کے حقوق میں کمی وکوتاہی کرنا حرام ہے، چونکہ معاملات اور لین دین میں زیادہ تر وزن وپیمائش ہی کو دخل ہے اس لئے آیات وروایات میں ایسے موقع پر انہیں دو چیزوں کو ذکر کیا گیا، ورنہ تطفیف وتخسیر کا مفہوم ہر حق تلفی کو عام ہے، محققین علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

شیخ الاسلام ابو القاسم قشیری وغیرہ اکابر ملت سے منقول ہے کہ یہ الفاظ وسیع المعنی ہیں، ناپ تول کی خیانت کو بھی شامل ہیں، اور ہر قسم کی خیانت وخست کے لئے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً اپنے عیبوں کو چھپانا دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرنا، اپنے لئے انصاف طلب کرنا اور دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرنا، اپنے عیبوں کو نظر انداز کرنا اور دوسروں کی عیب جوئی کرنا، اسی طرح خادموں، نوکروں، مزدوروں، ملازموں سے خدمت اور کام ٹھوک بجا کر لینا اور ان کا حق الخدمت اور اجرت کم دینا اور خادموں اور نوکروں کا ڈیوٹی کے کام اور خدمت میں کمی اور سستی کرنا یا وقت کم لگانا اور حق الخدمت مزدوری واجرت پوری وصول کرنا اسی طرح حق تعالیٰ سے عزت وراحت اور عافیت چاہنا اور اس کی اطاعت، عبادت فرماں برداری میں کوتاہی کرنا وغیرہ، یہ سب چیزیں تطفیف وتخسیر میں داخل ہیں۔ (خلاصہ تورات ص:۱۲۳)

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع وسجدے وغیرہ، پورے نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے، تو اس کو فرمایا "**لقد طففت**" یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی، فاروق اعظمؓ

کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا"**لکل شئ وفاء وتطفیف**" یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے، یہاں تک کہ نماز وضوء طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے، اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے، وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے، مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے، اس میں سے وقت چرانا، اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے، وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے، اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے، (معارف القرآن ۶۹۳/۸)

کم ناپنے اور تولنے کا وبال

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں:

(۱) جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو مسلط فرما دیتے ہیں۔

(۲) جو قوم اللہ کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر عمل کرتی ہے، ان میں افلاس ضرور پھیل جاتا ہے۔

(۳) جس قوم میں بے حیائی وبدکاری عام ہوجاتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ظالموں اور دوسرے وبائی امراض مسلط کر دیتے ہیں۔

(۴) جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

(۵) جولوگ زکوۃ ادانہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک دیتے ہیں۔

(معارف القرآن ۶۹۴/۸)

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مال غنیمت کی چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں دشمن کا رعب اور ہیبت ڈال دیتے ہیں، اور جس قوم میں رِبا، یعنی سودخوری کا رواج ہو جائے ان میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کا رزق قطع (تنگ) کر دیتے ہیں، اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں، ان میں قتل وخون عام ہو جاتا ہے، اور جو لوگ معاہدات میں غداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط فرما دیتے ہیں۔ (معارف القرآن ۶۹۴/۸)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے اور تولنے والوں سے ارشاد فرمایا تمہارے ہاتھ میں دو ایسے کام ہیں جن کے سبب تم سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں (یعنی پورا وزن نہ ناپنے اور کم دینے کے سبب ہلاک ہوئیں تم ایسا نہ کرنا) (ترمذی شریف ۱۴۶/۱)

صحیح ناپ تول کا بہترین انجام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. [سورة اسرائيل:٣٥]

اور جب ناپ کر دو تو پورا ناپو اور تولنے کی چیزوں کو صحیح ترازو سے تول کر دو (یہ فی نفسہ بھی) اچھی بات ہے، اور انجام بھی اس کا اچھا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ناپ تول پورا پورا کرنے کا حکم دے کر آخر میں فرمایا یہ عمل فی نفسہٖ بہتر عمل ہے، کیونکہ انسانیت اور عقل صحیح کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انصاف کیا جائے، کسی کے حق میں کمی نہ کی جائے، اسی لئے کوئی شریف آدمی ناپ تول میں کمی زیادتی کو اچھا نہیں سمجھتا اور شرعی حکم بھی یہی ہے کہ انصاف کے ساتھ پورا پورا حق حقدار کو دیدیا جائے، دوسری بات یہ فرمائی کہ مال اور انجام بھی اس کا بہت بہتر ہے، مثلاً آخرت میں حصول ثواب رضائے الٰہی اور جنت کا داخلہ تو ہے ہی، ان فوائد کے علاوہ دنیا میں بھی لوگوں کا اعتبار واعتماد حاصل ہوگا جو تجارت میں ترقی اور فروغ کا ذریعہ بنے گا، کاش ہم ان فضیلتوں کے حصول کی سعی کریں اور فلاحِ دارین کے مستحق بن جائیں۔

سود ایک معاشی لعنت

سود ایک معاشرتی لعنت وعفریت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے غربت کے لہو سے سرمایہ داری کی ہمیشہ آبیاری کی ہے، اور غربت کے سسکتے وجود سے سرمایہ داری کی ہوس کو غذا بخشی ہے، چنانچہ اس لعنت میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں تنبیہ فرمائی ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه. [سورة بقرة ٢٧٩]

پھر اگر تم اس (سودخوری چھوڑنے کے حکم پر) عمل نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

اسلام نے تجارت اور قرض دونوں میں سود کو حرام قرار دیا ہے، اور اس کے ارتکاب کو گناہ کبیرہ بتایا ہے، جو مسلمان سود کے حرام ہونے کا قائل نہ ہو، اس کے لئے

اسلامی قانون کا فیصلہ ہے کہ وہ کافر ہے۔

یہ لعنت بہت پرانی ہے، اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی یہ بیماری عام تھی، تاریخ بتاتی ہے کہ قریش مکہ اور یہود مدینہ میں سودی لین دین کا عام رواج تھا اور ساتھ ہی سود کی تباہ کاریوں کا بھی اقرار تھا، اور یہ حقیقت ہے کہ اس کو اختیار کرنے والے بھی اس کے مضر اثرات کے منکر نہیں رہے ہیں، البتہ ایک نئی بات یہ ضرور ہوئی کہ جب سے یورپ کے دلال دنیا کی مسند اقتدار و تجارت پر چھائے ہیں انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے اس خاص کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نئے نام دے کر اس کا دائرہ اتنا عام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہی سود جو پہلے انسان کی معاشرتی زندگی کا ایک گھن سمجھا جاتا تھا، آج معاشیات، اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی، سمجھا جانے لگا ہے اور اسلامی علوم سے کورے سطحی ذہن وفکر رکھنے والوں کو یقین ہو گیا ہے کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام سود کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، اگر چہ آج بھی اہل یورپ ہی میں سے وہ لوگ جو تقلید محض اور عصبیت سے بلند ہو کر توسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لیتے ہیں اور جو معاشیات کا وسیع علم ہی نہیں، بلکہ اس کے عملی پہلوؤں پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں، خود ان کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ سود معاشیات اور اقتصادی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں؛ بلکہ ایک ایسا کیڑا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں لگ گیا ہے، اور جب تک اس کیڑے کو نہ نکالا جائے گا، دنیا کی معاشیات میں جو اضطراب و ہیجان ہے وہ ختم نہیں ہوگا۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج دنیا میں سود کا لین دین جتنا وسیع ہو گیا ہے اور دنیا کے اس کونہ سے اس کونہ تک تمام ہی تجارتوں میں اس کا جال جس طرح بچھا دیا گیا ہے، افراد و اشخاص کی کیا حیثیت اگر کوئی پورا طبقہ و جماعت بلکہ کوئی پورا ملک بھی اس سے

نکلنا چاہے تو اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا کہ یا تو اپنی تجارت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے یا نقصان برداشت کرتا رہے، یہی وجہ ہے کہ اب تو عام مسلمان تاجر الگ رہے، وہ دیندار پرہیز گار مسلمان تاجر جن کی اعتقادی اور عملی زندگی بڑی پاکیزہ اور مثالی ہے، اب انہوں نے بھی یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس کے کس طرح نجات حاصل کریں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دیندار اور پابند شریعت مسلمانوں اور ایک خالص دنیا دار مہاجن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

لہٰذا سود کی اس ہمہ گیری کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اس عام مجبوری کا سہارا لے کر اتنی بڑی لعنت سے بالکل بے پرواہ ہو کر بیٹھ جائیں، اور ان کے دل میں ذرہ برابر کھٹک بھی پیدا نہ ہو کہ وہ کتنی بڑی حرام چیز میں مبتلا ہیں، آج سود کے بارے میں جو تاویلیں کی جاتی ہیں یا اس کو جو نئی نئی شکلیں دی جاتی ہیں، یاد رکھئے سب اسی درجہ میں حرام ہیں، جس درجہ میں خود سود کی حرمت ہے، اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی معاملات کو اس انداز میں استوار کریں جس سے حتی الامکان اس لعنت سے نجات مل سکے، اگر موجودہ معاشی نظام میں اس حد تک تبدیلی ان کے بس میں نہیں ہے، کہ جس میں سود کا دخل نہ ہو تو کم سے کم اپنی ذاتی زندگی اور نجی معاملات ہی کو درست کریں، تاکہ سود کی لعنت سے اگر بالکل نجات نہ ملے تو کم از کم اس میں کمی ہی ہو جائے اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضا تو پورا ہی ہو کہ وہ حتی الامکان حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔

سود کھانے پر وعید

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا سود کا ایک درہم یہ جاننے کے باوجود کھانا، کہ یہ سود ہے چھتیس مرتبہ زنا کرنے کے گناہ سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے، اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، بیہقی نے اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو (یعنی جس شخص کی جسمانی نشو ونما حرام مال مثلاً سود ورشوت وغیرہ سے ہوئی ہو) وہ شخص دوزخ ہی کے لائق ہے۔ (مشکوۃ:۱/۵۴۵)

علماء کہتے ہیں کہ سود کھانے کے گناہ کو زنا کے گناہ سے بھی زیادہ سخت اور بڑا گناہ اس لئے کہا گیا ہے، کہ سود کھانے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جتنی سخت اور غضبناک تنبیہ فرمائی ہے اتنی سخت اور غضبناک تنبیہ زنا کیا کسی بھی گناہ کے بارے میں نہیں فرمائی ہے، چنانچہ سود کھانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں متنبہ کیا ہے:

فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ. (سورة بقرة ٢٧٩)

اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا۔

یہ بات ہر ذی شعور جانتا ہے کہ کسی کے خلاف اعلان جنگ کا کیا مطلب ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرے یا جو شخص اللہ یا اس کے رسول سے برسر جنگ ہو اس کی محرومی اور شقاوت، بدبختی اور دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ص:۳۵-٦٥)

اتنی سخت وعید اور غضبناک تنبیہ کے باوجود لوگ اس لعنت میں گرفتار ہیں اور اکثر لوگ تو اسے حرام بھی تصور نہیں کرتے، اور ان کے ذہن وفکر، قلب ودماغ پر گمراہی وکجروی کی ظلمت اتنی چھائی ہوئی ہے کہ سود کو حلال سمجھتے ہیں جو غضب خداوندی کو دعوت دینے کے مرادف ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں اور ان میں جو سب سے ادنیٰ درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے صحبت کرے۔ (مشکوۃ ۱/۲۴۶)

بے برکت مال

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود (سے حاصل شدہ مال) خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، مگر آخرکار اس میں کمی (یعنی بے برکتی) آجاتی ہے۔ (مشکوۃ ۱/۲۴۶)

سودی ذرائع سے حاصل شدہ مال بظاہر تو بہت معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ سودی مال میں خیر و برکت کا کوئی جز نہیں ہوتا اس لئے انجام کار وہ مال اس طرح تباہ و برباد اور ختم ہوجاتا ہے، کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا، یہ محض ایک وعیدی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزانہ نظروں کے سامنے آتی رہتی ہے، چنانچہ اس حقیقت کو قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَات. [سورة بقرة۲۷۶]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ انسان جو سود کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نیست و نابود کردیتا ہے، اور اگر انسان اپنی محنت اور حلال ذرائع سے مال کما کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے، گویا اس آیت میں سود اور صدقہ کو ایک ساتھ ذکر کر کے جہاں یہ واضح کیا کہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد ہے، وہیں ان دونوں کے متضاد نتائج کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، چنانچہ ان

دونوں کی حقیقت میں تضاد یہ ہے کہ صدقہ میں بغیر کسی معاوضہ اور بغیر کسی لالچ کے انسان اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دوسروں کو دیتا ہے جب کہ سود میں بغیر کسی مالی معاوضہ کے انسان محض مال وزر کی ہوس میں اور دولت کی فراوانی کے جذبہ کے تحت دوسروں سے مال حاصل کرتا ہے۔

اسی طرح دونوں کی نیت اور غرض بھی بالکل جدا جدا ہوتی ہے، صدقہ کرنے والا محض اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لئے اپنے مال کو ختم کرنے یا کم کرنے کا فیصلہ کرکے زبردست ایثار کا ثبوت دیتا ہے، اور سود لینے والا محض دنیاوی حرص وطمع کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول کے غصہ اور ناراضگی سے بالکل بے پرواہ ہو کر اپنے موجودہ مال میں ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہوتا ہے، یہ تو سود اور صدقہ کی حقیقت کا تضاد تھا، دونوں کے نتائج کا تضاد یہ ہے، جو مال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر ناجائز طریقہ یعنی سود کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے، یا اس میں سے برکت اٹھالیتا ہے۔

اس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے اور اس کے مال میں خیر وبرکت عطا فرما دیتا ہے۔ (مستفاد: مظاہر حق ۶۶/۳، معارف القرآن ۵۹۰/۱)

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سودی کاروبار اور صدقہ وخیرات کرنے والوں کا جائزہ لیجئے تو یہ بات مشاہدہ میں آئے گی کہ سود خوروں کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے، مگر وہ بڑھنا ایسا ہی ہے، جیسے کسی انسان کا بدن ورم وغیرہ کے ذریعہ بڑھ جائے، یہ ورم اور سوجن بھی بدن کی زیادتی ہے، مگر کوئی سمجھدار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں

کرسکتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے، اسی طرح سودخور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد وثمرات، یعنی راحت وعزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ (معارف القرآن ۱/۵۹۱)

ظاہری خوشحالی سے دھوکہ

آج کل سودی کاروبار عام ہے، چپہ چپہ میں سودی لین دین جاری ہے، سودخوروں کے یہاں ظاہری طور پر مال ودولت کی ریل پیل نظر آتی ہے، اسباب عیش وعشرت کی فراوانی دیکھ کر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج کل سودخوروں کو تو بڑی سے بڑی ترقی اور راحت حاصل ہے، وہ کوٹھیوں، بنگلوں اور عالیشان عمارتوں کے مالک ہیں، نوکر، چاکر اور شان وشوکت کے تمام سامان موجود ہیں، ان کی یہ ظاہری خوشحالی دیکھ کر دھوکہ نہ کھایئے، ان تمام چیزوں کی کثرت وبہتات کے باوجود انہیں حقیقی چین وسکون حاصل نہیں، ہزاروں افراد جو سودی لین دین کا شکار ہیں، ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا، مگر راحت وسکون کا نام نشان تک نہیں ہے، وہ اسی حرص وہوس کی بناء پر تجوریوں کو بھرنے میں ایسے مست ہیں کہ انہیں کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں اور نہ اپنی بیوی بچوں کے حقوق کا پاس ولحاظ ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر تجربہ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نیند جیسی راحت وسکون والی نعمت سے محروم رہتے ہیں، امریکہ جیسے مالدار اور متمدن ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ وہاں ۷۵/ فیصد آبادی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے، اور بعض اوقات تو یہ گولیاں بھی جواب دیدیتی ہیں، تو ایسی دولت کس کام کی؟

دوستو! سکون واطمینان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جو اطاعت گذار نیک بندوں کو ہی نصیب ہوتی ہے، خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کرنے والوں کو یہ نعمت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد معارف القرآن ۱/۵۹۱-۵۹۲)

سودخوروں کو عزّت حاصل نہیں

ایک دنیا دار انسان مال ودولت کے انبار اسی لئے جمع کرتا ہے کہ اسے دنیا کا اطمینان وسکون اور راحت حاصل ہو اور وہ سماج ومعاشرہ میں عزت ووقار کی زندگی بسر کرسکے لیکن سودخوروں کی راحت کا حال تو معلوم ہوا کہ ان کے یہاں ظاہری طور پر مال ودولت کی فراوانی اور عیش وعشرت اور راحت وآرام کے تمام تر اسباب کے باوجود ان بدنصیبوں کو حقیقی راحت واطمینان کی دولت نصیب نہیں ہوتی اور سکون قلب ودماغ جیسی اعلیٰ ترین نعمتوں سے قطعاً محروم ہوتے ہیں، رہا عزت ووقار کا معاملہ تو سودخور چونکہ سود کی لعنت میں مسلسل مبتلا رہنے کی وجہ سے طبعی طور پر بے رحم اور سنگ دل بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا تو پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور افلاس کے مارے لوگوں کی مصیبت ومفلسی سے ناجائز فائدہ اٹھائے، ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالے، اس مقصد کے لئے وہ بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچوں کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کا ٹکڑا چھیننے اور افلاس وغربت کی ستائی ہوئی باحیا عورت کے جسم پر لپٹا ہوا کپڑا اتار لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا، ایسی شقاوت اور سنگ دلی کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے، کہ لوگوں کے دلوں میں سودخوار کی عزت ووقار کے لئے کوئی گوشہ ہو، آپ اپنی آبادی کے کسی بھی ایسے شخص پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے، چاہے اس کی تجوریاں سونے چاندی اور روپیوں کے کتنے ہی بڑے ذخیروں سے بھری پڑی

ہوں، اس کے گھر میں مال وزر کے کتنے ہی خزانے محفوظ ہوں، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اسے عزت ووقار کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، معاشرہ میں اس کی حیثیت اس درندے کے مثل ہوتی ہے، جو اپنے پنجوں سے انسانوں کے جسم کو نوچ نوچ کر ہڈی کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیتا ہے، ایسے شخص کو انسانی شرافت واحترام کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/۵۹۲)

بین الاقوامی بے چینی

بات جب نکلی ہے تو سودخوری کے ایک اور پہلو پر نظر ڈال لیجئے، بڑی مصیبت یہ ہے کہ سائنسی ارتقاء اور مادی عروج نے انسانوں کو جینے کا سلیقہ کیا بخشا کہ سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ تک بدل گئے آج کا انسانی ذہن، علم ودانش کی فراوانی اور فہم وفراست کی پختگی کے دعوے کے باوجود غور وفکر کے ایک مخصوص نہج سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، آج کی دنیا نے انسان کے گرد خالص مادی سانچے میں ڈھلے ذہن جدید کے مصنوعی نظریات کا جو حصار کھینچ دیا ہے اس نے سوجھ بوجھ کی تمام صلاحیتوں کو سیم وزر کے ایک خاص ماحول میں مقید کر دیا ہے اور احساسات فکر ونظر کو حقیقی اچھائی اور برائی کی قوت امتیاز سے محروم کر کے صرف دنیا کے وقتی اور ظاہری فائدوں اور تن آسانیوں کا اسیر بنا دیا ہے، اسی لئے آج ہمیشہ کی تسلیم شدہ صداقتیں قابل انکار ہوگئی ہیں، اور ہزاروں سال پرانے اٹل اور حقیقی نظریات قابل شکست وریخت سمجھے جانے لگے ہیں، اسلام کی یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سود حرام ہے، ہر فرد کے لئے ہر طبقہ کے لئے، ہر زمانہ کے لئے اور ہر حالت میں، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو اگرچہ بظاہر پڑھے لکھے ہیں، لیکن عہد حاضر کے مصنوعی افکار ونظریات

نے انہیں دین وشریعت کے حقیقی راستے سے دور کر رکھا ہے اوران کے ذہن وفکر پر
موجودہ دور کی مخصوص چھاپ نے انہیں جہالت کی وادیوں میں بھٹکا رکھا ہے، ان
کے نزدیک نہ صرف حرمت سود جیسی مسلمہ حقیقت آج کے زمانہ میں ایک ناقابل عمل
چیز ہے، بلکہ مادی خوشحالی اور تجارتی کامیابیوں کی راہ میں ایک رکاوٹ بھی ہے،
ان کے نقطہ نظر سے آج کا معاشی نظام جو سود کی جکڑ بندیوں میں محصور ہے صرف
ایک فرد ایک قوم ایک ملک ہی کے لئے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے اقتصادی استحکام
اور بنی نوع انسان کی معاشی خوشحالی کا ضامن ہے، وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ملک
جنہوں نے سود کی شکل میں غریب قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کی اقتصادیات
ومعاشیات کی روح کھینچ کر ان کو دنیا کا دریوزہ گر بنا دیا ہے، ان دیوانوں کی نظر
میں بنی نوع انسان کی معاشی فلاح و بہبود اوران کے اقتصادی اطمینان کے واحد
سہارے ہیں، یہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سرمایہ دار طاقتوں نے غریب ملکوں اور
اقتصادی بدحالی کی شکار قوموں کے لئے اپنے خزانوں کے جو منہ کھول رکھے ہیں،
وہ درحقیقت عالمی بھائی چارگی اور بین الاقوامی اقتصادی خوشحالی کے تئیں ان کے
حقیقی جذبات ایثار وہمدردی کا مظہر ہیں، حالانکہ اگر ذرا بھی غور وفکر سے دیکھا
جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ یہ سب کچھ اسی
ہوس وعیاری کا ترقی یافتہ راستہ ہے، جس پر چل کر پہلے تو ایک انسان نے دوسرے
انسان کا خون چوسا اور اب اسی راستہ پر گامزن رہ کر ایک قوم اور ایک ملک دوسری
قوموں اور دوسرے ملکوں کا خون چوس رہے ہیں پہلے ایک فرد یا ایک طبقہ سود کی
اقتصادی تباہ کاری کا شکار ہوا کرتا تھا، اور اسے محسوس بھی کرتا تھا، لیکن آج پورے
پورے ملک اور پوری پوری قومیں سود کی اقتصادی تباہ کاری کا غیر محسوس طور پر شکار

ہوکر اپنے باوقار وجود کو سودخواروں کے پاس رہن رکھ چکی ہیں، جن دانشوروں کی نظر دنیا کے ان اقتصادی منصوبوں پر ہے، جن کے تحت سرمایہ دار ممالک پسماندہ قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو ہر سال اربوں ڈالر کے امدادی قرض دیتے ہیں، وہ جانتے ہیں، یہ ممالک کس طرح سود کی شکل میں ان غریب ملکوں کی اقتصادی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر اپنے ملک کے خزانے بھر رہے ہیں۔

اس حقیقت سے کون باہوش انکار کرسکتا ہے، کہ ان سودخور ملکوں کی سودخوری نے دنیا کے ان تمام غریب ملکوں کے اقتصادی نظام میں جو شومئی قسمت سے اپنے وسائل اور اپنے دست و بازو کی قوت محنت پر بھروسہ نہ کر کے سرمایہ دار ملکوں کے جال فریب میں پھنس گئے ہیں، غربت و افلاس اور مالی بدحالی کا ایسا زہر گھول دیا ہے، کہ ان کا تمام تر معاشی ڈھانچہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے، اور اقتصادی موت کے دروازہ پر پہونچ گیا ہے، اس صورتِ حال نے دنیا کے امن وسکون کو بھی متزلزل کر کے رکھ دیا ہے، آج آپ کو کتنے ہی ایسے ملک نظر آئیں گے، جن کی سیاسی اور ملکی پالیسیوں کی باگ ڈور انہیں سودخور ملکوں کے ہاتھوں میں گروی رکھی جاچکی ہے، ان ملکوں کے وہ مسائل و معاملات، جن پر پوری دنیا کے امن وسکون کا دارومدار ہے، اپنے ملک کے مدبرین کے ناخن تدبیر سے محض اس وجہ سے نکل کر سودخوروں کی اپنی پالیسیوں کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں، کہ ان کی اقتصادی زندگی کا تمام تر دارومدار انہیں سودخوروں کے امدادی اور سودی قرضوں پر ہے، ان مسائل کا حل ، چونکہ ان کی سیاسی اوراقتصادی پالیسی کے خلاف ہے، اس لئے وہ ان کو دنیا پر اس طرح معلق کئے ہوئے ہیں کہ آج ان کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملک کے ملک اپنی داخلی بے چینیوں ، بے اطمینانیوں اور مایوسیوں کا شکار ہوکر موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا

ہیں، اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ آج دنیا پر سیاسی، بے اطمینانی اور اقتصادی، بے چینی کا جو مہیب بادل چھایا ہوا ہے، وہ دراصل سود خواروں کا مسلط کیا ہوا ہے جس سے کوندنے والی برق کسی بھی لمحہ بنی نوع انسان کے پورے جسم کو بھسم کر سکتی ہے۔
(مظاہر حق ۶۹/۳-۷۰)

سود کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض پڑھے لکھے لوگ اس شبہ میں بھی مبتلا ہیں کہ قرآن کریم نے جس ''رِبا'' کو حرام قرار دیا ہے، وہ ایک خاص قسم کا کاروبار تھا، جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے کسی سے قرض لے لیتا اور قرض خواہ اس پر ایک نفع (سود) لیا کرتا تھا، یہ بے شک ایک سنگدلی کی بات تھی کہ کوئی شخص کسی کی مصیبت میں اس کی مدد کرنے کے بجائے الٹا اس کی مصیبت سے فائدہ اٹھائے، قرآن نے سود کی اس صورت کو حرام قرار دیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس حرمت کا اطلاق آج کے زمانہ میں سود کی اس صورت پر ہو سکتا ہے، جو مہاجنوں اور دوسرے سود خوروں کے وہاں شخصی اور انفرادی طور پر رائج ہے کہ کوئی ضرورت مند و غریب اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے (خواہ کوئی چیز گروی رکھ کر یا اور کسی اعتماد کی بناء پر) ان سے قرض لیتا ہے اور اس پر حسب شرط و تعیین سود ادا کرتا ہے، لیکن آج کل تجارتوں، بینکوں، کمپنیوں اور اجتماعی اداروں کے ذریعہ جو سودی کاروبار ہوتا ہے، اس کی صورت بالکل مختلف ہے، اب سود دینے والے مصیبت زدہ لوگ نہیں ہیں بلکہ متمول اور سرمایہ دار تجار ہیں جو غریبوں سے سود لینے کے بجائے خود ان کو

سود دیتے ہیں ظاہر ہے، کہ اس صورت میں غریبوں کا ہی فائدہ ہے، کہ بہت سے قلیل سرمایہ دار والے لوگ مذکورہ ذرائع سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں، لہذا موجودہ دور کے تجارتی سود پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے۔

جواب: اس کے جواب کے سلسلہ میں پہلے تو ایک بنیادی بات یہ جان لینی چاہئے کہ شریعت کے کسی بھی حکم کا تعلق اصول اور کلیہ سے ہوتا ہے جزئیات اور اقسام کا اختلاف اس حکم کے نفاذ پر اثر انداز نہیں ہوتا شریعت نے جس چیز کو اصولی طور پر حرام قرار دیا ہے، وہ چیز اپنے تمام اجزاء اور اپنی اقسام کے ساتھ حرام ہوگی، اس میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا، کہ وہ اللہ کے نافذ کردہ حکم میں یا اس کے کسی جزء یا قسم کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کردے یا اس حکم کے اطلاق کو بلا کسی شرعی دلیل کے مقید و محدود کردے، اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے، تو وہ گویا قرآن میں تحریف کرتا ہے اور اللہ کے احکام سے منحرف ہوتا ہے، مثلاً شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے، کہ اس حرمت کا تعلق اس شراب سے ہے، جو پہلے زمانہ میں خراب قسم کے برتنوں میں سڑا کر بنائی جاتی تھی، اب تو چونکہ صفائی ستھرائی کا بڑا اہتمام ہے، مشینوں کے ذریعہ سب کام ہوتا ہے، اعلیٰ درجہ کی شرابیں بنتی ہیں؛ لہٰذا موجودہ دور کی شراب پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے، جو اسلامی شریعت کا ذرا سا بھی علم نہ رکھتا ہو، یا اسلامی شریعت کے مزاج سے قطعاً ناواقف ہو۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب رِبا کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں رِبا کی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں مختلف سورتوں کی کئی آیتوں میں آیا ہے اور چالیس سے زائد احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

(معارف القرآن ۱/۶۰۸)

ان میں سے کسی ایک لفظ میں بھی یہ اشارہ نہیں ہے، کہ حرمت کا یہ حکم کسی خاص صورت یا کسی خاص مصلحت کے پیش نظر ہے، حرمت رِبا کی کسی بھی آیت یا کسی بھی حدیث سے یہ اشارۃً بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حرمت صرف اس رِبا کی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دیا جاتا تھا، تجارتی سود اس سے مستثنٰی ہے، بلکہ اگر اس مسئلہ پر تاریخی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سرے سے یہ خیال ہی غلط ہے، کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سود کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی مصیبت زدہ شخص یا غریب آدمی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرتا تھا، اور تجارتی معاملات کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ آیات ربا کا شانِ نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ حرمت ربا کا جب نزول ہوا ہے، تو اس وقت شخصی اغراض کے لئے سودی لین دین کے علاوہ تجارتی معاملات کے لئے بھی سود کا لین دین رائج تھا، کیونکہ عربؒ اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ لوگ تھے، جو تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے، چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے میں امام بغویؒ نے لکھا ہے، کہ یہ دونوں حضرات شرکت میں کاروبار کرتے تھے، اور ان کا لین دین طائف کے تجار بنوثقیف کے ساتھ تھا، حضرت عباسؓ کی ایک بڑی رقم سود کے طور پر بنوثقیف کے ذمہ واجب الاداء تھی، انہوں نے بنوثقیف سے اپنی سابقہ رقم کا مطالبہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اس حکم کے تحت کہ ''رِبا حرام قرار دے دیا گیا ہے'' اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سود کی اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا حکم دے دیا، جس کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی یوں فرمایا تھا۔

ربا الجاهلية موضوع وأول ربا أضع ربا نار با عباس بن عبد المطلب فإنه موضوع كله. (إعلاء السنن ۱٤/۳۳٤)

زمانہ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں اپنے سودوں میں سے چھوڑتا ہوں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ کے ساتھ اور ایک خاندان کا دوسرے خاندان کے ساتھ سودی لین دین تھا، اور یہ باہمی سودی لین دین کسی فوری ضرورت یا مصیبت کے تحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں تھا؛ بلکہ اس انداز سے تھا کہ ان کے درمیان لین دین کاروباری اور تجارتی حیثیت سے مسلسل جاری تھا، جیسے ایک تاجر دوسرے تاجر سے، یا ایک کمپنی دوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے، بلکہ سودی کاروبار کرنے والے لوگ رِبا کو بھی ایک قسم کی تجارت ہی سمجھا کرتے تھے۔ (مستفاد جواہر الفقہ ۵۰/۳)

جس کی تردید قرآن کو کرنی پڑی اور خرید وفروخت کے ان سودی معاملات کو تجارت ہی کی ایک قسم سمجھنے والوں کے لئے سخت تہدید ووعید نازل ہوئی۔

اب رہی یہ بات کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں اپنی رقموں پر کچھ نہ کچھ نفع (سود) مل جاتا ہے تو یاد رکھئے، کہ یہ وہ حسین فریب ہے جس کی بنیاد پر یورپین اقوام نے سود جیسی بدیہی اور ہمیشہ کی مسلم لعنت کو کاروبار کا ایک خوبصورت جامہ پہنایا، اور عوام نے اس فریب میں آکر سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی اپنی پونجی کو بینکوں کے حوالہ کردیا ہے، اس طرح پوری قوم کا سرمایہ سمٹ کر بینکوں میں آگیا، اور پھر بینکوں سے بڑے بڑے تاجروں بیوپاریوں نے بطور قرض لے کر اپنے اپنے کاروبار کو وسعت دی اور اس سے جو عظیم الشان نفع حاصل ہوا اس میں سے چند ٹکے بینکوں کو دے کر باقی سب اپنی تجوریوں میں بھرلیا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۵۳/۳)

بینک والوں نے ان ٹکوں میں سے کچھ حصہ پوری قوم کے ان لوگوں کو بانٹ دیا، جنھوں نے اپنی اپنی پونجی بینک کے حوالہ کی تھی، اس طرح سرمایہ دار نے تو اپنے دس ہزار روپیہ سے ایک لاکھ کما لئے، اور بیچارے غریبوں کے حصہ میں کیا آیا؟ صرف چند ٹکے۔

اب بتائیے کہ ان بینکوں سے بھی اصل فائدہ کسے حاصل ہوا، سرمایہ دار کو یا غریب کو؟ فریب خوردہ غریب تو اس متوقع فائدہ سے بھی محروم رہا، جو وہ اپنی پونجی کو بینک کے حوالہ کر دینے کے بجائے کسی چھوٹی موٹی تجارت میں لگا کر حاصل کرتا، اسے تو اتنی بھی سہولت نہیں ملتی ہے کہ وہ بینک سے کوئی بڑی رقم قرض لے کر کوئی کاروبار کر سکے، اس لئے کہ بینکوں میں غرباء کو قرض دینے کا کوئی اصول وقانون نہیں، وہ تو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور ساکھ والوں کو قرض دیتا ہے، سرمایہ دار نے بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں قرض کے نام پر لیں، ان رقموں سے تجارت وصنعت کی بڑی بڑی منڈیوں پر اپنا اجارہ جمایا، ہر قسم کے کاروبار پر قابض ہوگیا، کسی غریب یا کم سرمایہ دار مقابلہ ومسابقت کے ذریعہ تجارت کے کسی میدان میں جمنے نہیں دیا اور انجام کار تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے فائدہ منداور ترقی کا ذریعہ تھا، چند مخصوص لوگوں میں محدود ومحصور ہو کر رہ گیا، اور پھر آخر میں اس سودی کاروبار کی تان غریبوں پر ہی اس طرح ٹوٹی، کہ جب تجارت کے اڈوں پر مخصوص سرمایہ دار ناگ بن کر بیٹھ گئے، تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم وکرم پر ہو گئے ہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶۱۳/۱، جواہر الفقہ ۵۵/۳)

جس کا نتیجہ سامنے ہے، سامان معیشت میں روز بروز گرانی بڑھتی ہی جارہی ہے، حکومت کی تمام تر کوششوں کے باوجود اشیاء کی قیمتیں چڑھتی چلی جارہی ہیں، اور انجام کار فریب خوردہ عوام کو سود کے نام پر جو چند ٹکے ملے تھے، ان کے مقابلہ

میں سامان معیشت دوگنی تین گنی قیمتوں تک پہونچا تو ان غریبوں کی جیب سے سود کے وہ چند ٹکے اور کچھ سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہونچ گئے، لہٰذا بینکوں اور تجارتی اداروں کے سودی کاروبار کے اس فریب کا پردہ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سودی کاروبار کا عام نتیجہ کسی بھی طرح غریبوں کے حق میں مفید نہیں ہوتا، بلکہ یہ درحقیقت پوری قوم کی غربت وافلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں بے پناہ اضافہ کا ذریعہ ہے اور یہی وہ معاشی بے اعتدالی اور اقتصادی تباہ کاری ہے، جو پوری قوم اور پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے اس لئے اسلام نے سود کے ہر طریقہ اور ہر ذریعہ پر قدغن لگا دی ہے، خواہ وہ انفرادی اور شخصی اغراض کے لئے قرض لینے کی صورت میں ہو، یا اجتماعی تجارت اور بینکوں کے کاروبار کی شکل میں، کیونکہ دونوں ہی صورتوں میں غریب عوام کا خون سودخوروں کی غذا بنتا ہے۔ (مستفاد: مظاہر حق:۶۶-۷۷)

میدان حشر میں رسوائی

اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَآئَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهُ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهُ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ النَّارِهُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ. [سورة بقرة آیت ۲۷۵]

جو لوگ سود کھاتے ہیں (لیتے ہیں) نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان نے خبطی بنا دیا ہو لپیٹ کر (یعنی حیران ومدہوش) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان (سود خور) لوگوں

نے (سود کے حلال ہونے کی دلیل پیش کرتے ہوئے یہ) کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے (کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے، پھر سود بھی جو اسی کی مثل ہے، حلال ہونا چاہئے) حالانکہ (دونوں میں کھلا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (جو کہ مالک ہیں احکام کے) بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے، (اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا) پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے (اس بارے میں) نصیحت پہونچی اور وہ (اس سود کے فعل اور اس کفر کے قول سے یعنی حلال کہنے سے) باز آ گیا (یعنی حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا) تو جو کچھ (اس حکم کے آنے سے) پہلے (لینا) ہو چکا ہے وہ اس کا رہا، (یعنی ظاہر شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہوگئی، اور لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے) اور (باطنی) معاملہ اس کا (کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کر لی ہے یہ) خدا کے حوالہ رہا، اور جو شخص نصیحت مذکورہ سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف، پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخی ہو جائیں گے، وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں سود خواروں کا انجام بد اور قیامت کے دن اس کا اس طرح کھڑا ہونا جیسے آسیب زدہ، خبطی شخص کھڑا ہوتا ہے، بیان فرمایا گیا ہے جس میں اعلان بھی ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنی مجنونانہ حرکتوں سے پہچانے جائیں گے کہ یہ سود خور ہیں، اور اس طرح پورے عالمی مجمع میں ان کی رسوائی ہوگی۔

قرآن کریم نے ان کے لئے مجنوں کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے آسیب زدہ خبطی کا لفظ استعمال فرما کر شاید اس طرف اشارہ فرما دیا کہ مجنون تو بعض اوقات ایسا بے حس ہو جاتا ہے کہ اس کو تکلیف و راحت کا احساس ہی نہیں رہتا، لیکن یہ لوگ

ایسے مجنوں نہیں ہوں گے، بلکہ عذاب وتکلیف کا احساس باقی رہے گا، نیز یہ کہ مجنون تو بعض اوقات چپ چاپ ایک جگہ پڑ جاتا ہے، یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے بلکہ شیطان کے خبطی بنائے ہوئے کی طرح بکواس اور ہذیان اور دوسری مجنونانہ حرکتوں سے پہچانے جائیں گے، اوراس طرح ذلیل ورسوا ہوں گے، مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کو یہ سزا اس مناسبت سے دی جائے گی کہ یہ لوگ دنیا میں روپیہ پیسہ کی حرص وہوس میں اس قدر مدہوش تھے کہ انھیں نہ کسی غریب پر رحم آتا تھا، اور نہ کسی کی شرم مانع ہوتی تھی، گویا پوری زندگی اسی مدہوشی اور بے ہوشی میں گذار دی، اس لئے محشر میں بھی انہیں اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

اس کے بعد دوسرے جملہ میں سودخوروں کی اس سزا کی وجہ، یہ بیان فرمائی ہے کہ ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے دو جرم کئے، ایک تو سودی حرام مال کھایا اور استعمال کیا، دوسرے اس کو حلال سمجھا اور حرام کہنے والوں کے جواب میں یہ کہا کہ یہ بیع وشراء بھی تو رِبا ہی کے مثل ہے، جس طرح رِبا کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح بیع وشراء کے ذریعہ بھی نفع مقصود ہے، اگر سود حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہئے، حالانکہ اس کے حرام ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اس جگہ بظاہر مقتضاء مقام یہ تھا کہ یہ لوگ یوں کہتے کہ رِبا بھی بیع کی طرح ہے، جب بیع حلال ہے تو ربا بھی حلال ہونا چاہئے، مگر انہوں نے طرز بیان بدل کر حرام کہنے والوں پر اس جملہ کے ذریعہ استہزاء کیا کہ تم رِبا کو حرام کہتے ہو تو بیع کو بھی حرام کہو، لہٰذا ان جرائم کی وجہ سے میدان حشر میں ذلیل وخوار ہوں گے، اور پھر ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ (معارف القرآن ۱/۵۸۸-۵۸۹)

اب آخر میں چند ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیش کرتا ہوں جن میں سود

کی شدید ممانعت اوراس پرسخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔

(۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات مہلک چیزوں سے بچو! صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ وہ کیا چیزیں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں یااس کی مخصوص صفات میں) کسی غیراللہ کوشریک کرنا، (۲) جادو کرنا، (۳) کسی شخص کوناحق قتل کرنا، (۴) سود کھانا، (۵) یتیم کا مال کھانا، (۶) جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا، (۷) کسی پاکدامن عورت پرتہمت لگانا، (مشکوۃ ۱/۱۷)

(۲) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے آج رات دوشخصوں کودیکھا جومیرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے، پھرہم آگے چلےتوایک خون کی نہر دیکھی، جس کے اندرایک آدمی کھڑا ہوا ہے، اور دوسرا آدمی اس کے کنارے پرکھڑا ہے، جب یہ نہروالا آدمی، اس سے باہرآنا چاہتا ہےتو کنارے والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہےجس کی چوٹ سے بھاگ کرپھر وہ وہیں چلا جاتا ہے، جہاں کھڑا تھا، پھروہ نکلنے کاارادہ کرتا ہے،تو پھریہ کنارہ والا آدمی وہی معاملہ کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، جو میں دیکھ رہا ہوں، انہوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہوا آدمی سود کھانے والا (اپنے عمل کی سزاپارہا) ہے، (بخاری شریف ۱/۲۸۰)

(۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پرلعنت فرمائی ہے اورسود دینے والے پربھی، (اسی طرح) سودی تحریرات لکھنے والے اوراس کے گواہوں پرلعنت فرمائی ہےاورآپ نے ارشادفرمایا (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ ۱/۲۴۴)

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج

کی رات میں میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ گھڑوں مکانوں کی مانند (بڑے بڑے) تھے اوران کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے، جو پیٹوں کے باہر سے بھی نظر آرہے تھے، میں نے (انھیں دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام سے) پوچھا کہ جبرئیلؑ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سودخور ہیں۔ (مشکوٰۃ ۱/۲۴۶)

اللہ تعالیٰ ہم سب کوان ارشادات عالیہ پرعمل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔آمین

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

اے نبی! آپ کہئے: اگرتم اللہ کو چاہتے ہو؟ تو میری چال چلوتا کہ اللہ تم سے پیارکرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان قرآنی احکامات اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پرعمل کرنے کی سعادت سے نوازے، اور حلال روزی حاصل کرنے اورحرام سے بچنے کی توفیق عطافرمائے۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ.

